ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون

ہدایات زریں برائے مبلغین احمدی

سیدنا فضل عمر حضرت میرزا بشیر الدین
محمود خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالی بنصرہ
وموعودہ امیر المومنین

خاکسار ایڈیٹر فاروق نے باہتمام خود ماہ اگست ۱۹۲۱ء فاروق پریس قادیان میں طبع کرا کر شائع کیا

بار اول

قیمت مجلد

بلا جلد

مبارکباد

الحمد للہ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ کی فرمائی ہوئی یہ ہدایات جو مبلغین سلسلہ کے ہر وقت پیش نظر رہنی چاہئیں باجازت حضرت صاحب ایدہ اللہ خاکسار ایڈیٹر فاروق حتی الوسع عمدہ لکھائی چھپائی اور کاغذ پر طبع کرا کے ہدیہ ناظرین کرتا ہے۔

ان ہدایات کو حضور نے جلسہ کر کے تین یوم تک اکابر قادیان کو سنایا اور مکرمی منشی غلام نبی صاحب ایڈیٹر الفضل نے قلمبند کر کے حضور ایدہ اللہ سے نظر ثانی و تصحیح کرائی۔ منشی صاحب نے قوم پر احسان کیا جو انکو لکھ لیا۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

خاکسار قاسم علی ایڈیٹر فاروق۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مبلغین کو ہدایات

۲۶۔جنوری ۱۹۲۱ء بعد نماز عصر بورڈنگ مدرسہ احمدیہ کے ایک کمرہ میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے مبلغین جماعت احمدیہ مبلغین کی کلاس کے طلباء مدرسہ احمدیہ کی ساتویں جماعت کے طلباء اور افسران صیغہ جات کے سامنے حسب ذیل تقریر فرمائی تشہد۔ تعوذ۔ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا

تبلیغ کے طریقوں پر غور کرنا

ہم چونکہ ایک ایسے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس نے اور ذمہ داریوں کے علاوہ اِس ذمہ واری کا اُٹھانا بھی ضروری قرار دیا ہُوا ہے۔ کہ ساری دُنیا کو ہدایت پہنچائی جائے اور ہر مذہب ہر ملت۔ ہر فرقہ اور ہر جماعت کے لوگوں کو ہدایت کیجائے۔ اِس لئے ہمارے لئے تبلیغ کی ضروریات پر غور کرنا اور اس کے لئے سامان بہم پہنچانا نہایت ضروری معاملہ ہے۔ اور خصوصیت کیساتھ اِس معاملہ پر غور کرنا نہایت ضروری ہے۔ کہ تبلیغ کِن ذرائع سے کرنا زیادہ مفید اور نتیجہ خیز ہوسکتا ہے۔ اور کِن طریقوں کو

کام میں لانے سے اعلیٰ نتائج نکل سکتے ہیں
میں دیکھتا ہوں۔ کہ تیس سال سے زیادہ
عرصہ ہمارے سلسلہ کو تبلیغ شروع کئے
ہوئے ہوا ہے۔ مگر اس وقت تک وہ نتائج
پیدا نہیں ہوئے۔ جن کے پیدا ہونے کی
اُمید ان صداقتوں کی وجہ سے کی جا سکتی
ہے۔ جو ہمارے پاس ہیں۔ مفید اور
اعلیٰ نتائج دو ہی طرح پیدا ہوا کرتے ہیں
یا تو طاقت ور ہاتھ ہوں۔ مضبوط بازو
ہوں۔ یا اعلیٰ درجہ کے اور مضبوط ہتھیار
ہوں۔ اور اعلیٰ درجہ کا نتیجہ اسی طرح نکل
سکتا ہے۔ کہ یہ دونوں چیزیں حاصل ہوں
ورنہ اگر طاقت ور ہاتھ ہوں۔ لیکن ہتھیار
ناکارہ اور کمزور ہوں۔ تو بھی اچھا نتیجہ نہیں

نکل سکتا اور اگر ہتھیار اعلیٰ درجہ کے ہوں لیکن ہاتھوں میں طاقت نہ ہو۔ تو بھی بہتر نتیجہ نہیں رونما ہو سکتا۔ مثلاً اگر ایک کمزور شخص ہو۔ وہ اعلیٰ درجہ کی تلوار لیکر دشمن کے مقابلہ میں کھڑا ہو جائے۔ تو مار ہی کھائیگا۔ یا طاقتور انسان ہو۔ مگر خراب اور ناقص بندوق لیکر کھڑا ہو جائے۔ تو بھی شکست ہی کھائیگا پس مُفید اور اچھا نتیجہ اُس صورت میں نکل سکتا ہے۔ کہ یہ دونوں باتیں حاصل ہوں ہاتھوں میں طاقت اور قوت بھی ہو۔ اور کام کی مشق ہو۔ اور ہتھیار بھی اعلیٰ درجہ کے ہوں ٭

متوقع نتائج کیوں نہیں نکل رہے

اب ہمیں دیکھنا چاہیئے۔ کہ جس نتیجہ کے

نکلنے کی ہمیں اُمید ہو سکتی ہے۔ وہ اگر نہیں نکلتا۔ تو اِن دونوں چیزوں میں سے کونسی چیز ہے۔ جس میں کمی ہے۔ آیا ہمارے پاس ہتھیار ایسے ناقص ہیں۔ کہ اُن سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ یا ہتھیار تو اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ مگر ہم ایسے نہیں ہیں۔ کہ ان سے کام لے سکیں۔ یا دونوں باتیں نہیں ہیں ہمیں ہتھیار بھی اعلیٰ درجہ کے نہیں ہیں۔ اور ہم بھی اس قابل نہیں۔ کہ کام کر سکیں ‫+‬

جب ہم غور کرتے ہیں۔ تو اس امر میں تو کوئی شُبہ نہیں رہتا۔ کہ ہتھیار تو ہمارے پاس اعلےٰ درجہ کے ہیں۔ کیونکہ دشمن بھی اقرار کرتے ہیں۔ کہ جو دلایل ہمارے پاس ہیں۔ وہ بہت مضبوط اور زبردست ہیں۔ خصوصاً

حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ جو دلائل
اور براہین ہم تک پہنچے ہیں۔ اُن کی قوت اور
طاقت کا اعتراف دشمن بھی کرتے ہیں۔
اِس بات کی موجودگی میں اور پھر اسباب
کے ہوتے ہوئے کہ ہم شواہد اور دلائل
کے ساتھ مانتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ
خدا تعالیٰ کی طرف سے تھے۔ پھر اعلیٰ
درجہ کے نتائج کا نہ نکلنا بتاتا ہے۔ کہ ہم
میں ہی نقص ہے۔ وَرنہ اگر ہم ان ہتھیاروں
کو عمدگی کے ساتھ چلانے والے ہوں
تو پھر کوئی وجہ نہیں۔ کہ اعلیٰ درجہ کے نتائج
نہ پیدا ہوں۔ پس یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ
کہ ہتھیار چلانے والے اچھے نہیں ہیں اور
انہیں ہتھیار چلانے کا فن نہیں آتا۔ چونکہ ننا

سال شروع ہو رہا ہے۔ اس لئے میں نے ضروری سمجھا ہے۔ کہ دوستوں کو جمع کرکے میں اس مضمون پر کچھ بیان کروں۔ کہ کس طرح تبلیغ کے عمدہ نتائج نکل سکتے ہیں ؛

مخاطبین

اس مجلس میں مَیں نے ایک تو ان لوگوں کو بلایا ہے۔ جو تبلیغ کا کام کرتے ہیں اَور دوسرے ان کو بلایا ہے۔ جو آیندہ مبلغ ہونے وَالے ہیں۔ تاکہ ابھی سے اِن کے کانوں میں یہ باتیں پڑیں۔ اَور اِن کے دلوں پر نقش ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم نے بچّہ کے پَیدا ہوتے ہی اُس کے کان میں اَذان کہنے کا ارشاد فرمایا ہے۔

تاکہ پہلے دن ہی اس کے کان میں خدا کا نام
پڑے۔ تو میں نے اس لئے کہ جو مبلغ ہونے
والے ہیں۔ اُن کے دلوں میں ابھی سے یہ
باتیں بیٹھ جائیں۔ اُن کو بھی بلایا ہے۔ یہ بھی
اس وقت میرے مخاطب ہیں۔ پھر میرے
مخاطب منتظمین ہیں۔ جنہوں نے مبلغین سے
کام لینا ہے۔ کیونکہ جب تک انہیں ان
باتوں کا علم نہ ہو۔ وہ کام نہیں لے سکتے
تو اس وقت میرے مخاطب تین گروہ ہیں
اول وہ جو کام کر رہے ہیں۔ دوسرے
وہ جو اس وقت تو کام نہیں کر رہے لیکن
دو تین سال کے بعد کام کرنے والے ہیں
اور تیسرے وہ جنہوں نے کام لینا
ہے ؎

مخاطبین کی پہلی قسم

پھر اس وقت میرے سامنے تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جنکا حلقہ نظر بہت ہی محدود ہے۔ جیسے طالب علم جو آئندہ کام کرنے والے ہیں۔ اِن کا حلقہ نظر بہت ہی محدود ہے۔ اور ان کی مثال ایسی ہے۔ جیسی کہ کوئیں کے مینڈک کی ایک مثل بیان کی جاتی ہے۔ کہ کوئی کوئیں کا مینڈک تھا۔ وہ سمندر کے مینڈک سے ملا۔ اور پوچھا بتاؤ سمندر کتنا بڑا ہے۔ سمندر کے مینڈک نے کہا۔ بہت بڑا ہوتا ہے۔ اس نے کہا۔ کیا کوئیں جتنا۔ کہا نہیں بہت بڑا ہوتا ہے۔ اس پر کوئیں کے مینڈک نے ایک چھلانگ لگائی۔ اور کہا۔ کیا اتنا بڑا ہوتا ہے۔ اِس

نے کہا۔ نہیں یہ کیا ہے۔ وہ بہت بڑا ہوتا
ہے۔ اس پر کوئیں کے مینڈک نے دو تین
اکٹھی چھلانگیں لگا کر پوچھا اتنا بڑا۔ اُس نے
کہا۔ یہ کیا بے ہودہ اندازہ لگاتے ہو۔ سمندر
تو بہت بڑا ہوتا ہے۔ کوئیں کے مینڈک نے
کہا۔ تم بہت جھوٹے ہو۔ اس سے بڑا کیا
ہو سکتا ہے۔ میں تم جیسے جھوٹے کے ساتھ
بات نہیں کرنا چاہتا۔ تو طالب علموں کی
مثال ایسی ہی ہوتی ہے۔ اِن کو اگر ایک
بات بھی مل جاتی ہے۔ اور اُستاد سے
کوئی ایک دلیل ہی سن لیتے ہیں۔ تو کہتے
ہیں۔ اسی دلیل کو لیکر کیوں لوگ نہیں نکل
جاتے۔ اور ساری دُنیا کو کیوں نہیں منوا
لیتے۔ اس کی کیا تردید ہو سکتی ہے۔ اور

کون ہے۔ جو اس کو توڑ سکتا ہے۔ حالانکہ
مختلف طبائع مختلف دلائل کی محتاج ہوتی
ہیں۔ اور مختلف لیاقتوں کے دشمنوں کے
مقابلہ میں مختلف ذرائع کو اختیار کرنا پڑتا ہے
اگر ایک دلیل ایک قسم کے دس پانچ آدمیوں
کے لئے مفید ہوتی ہے۔ تو سینکڑوں پر اسکا
کوئی اثر نہیں ہوتا سوہ بعض اور قسم کی دلائیل
کے محتاج ہوتے ہیں۔ پس مبلغ کے لئے
ایک نہ ختم ہونیوالے خزانہ کی ضرورت ہوتی ہے
تو بعض لوگوں کے خیالات بالکل محدود
ہوتے ہیں۔ وہ ایک دلیل کو لے لیتے ہیں
اور خیال کرتے ہیں۔ .. ..
کہ یہ ایسی دلیل ہے۔ کہ اسکا کوئی انکار نہیں
کرسکتا۔ اور یہ سب کے لئے کافی ہے۔

حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ پھر یا ایسے لوگوں
کی مثال اُن بچوں کی سی ہے۔ جو گاؤں
میں رہتے ہیں۔ اور اُن کا کام یہ ہوتا ہے کہ بیریوں
کے درختوں کے سر سے بیر کھا چھوڑے
یا جانوروں کے لئے چارہ لے آئے۔ یا جانوروں
کو باہر چرالائے۔ انہوں نے نہ کبھی کوئی شہر
دیکھا ہوتا ہے۔ نہ ریل اور تار سے واقف
ہوتے ہیں۔ اور جب کوئی ان کے متعلق انہیں
باتیں سُناتا ہے۔ تو وہ اس طرح سُنتے ہیں۔
جس طرح کہانیاں سُنی جاتی ہیں۔ اس سے
زیادہ دلچسپی ان کو نہیں ہوتی۔ اور نہ کوئی
اثر ان پر پڑتا ہے۔ ان بچوں میں سے بہت
کم ایسے ہوتے ہیں۔ جن کے قلب پر یہ
اثر پڑتا ہے۔ کہ جب ہم بڑے ہوں گے

تو اِن چیزوں کو دیکھینگے۔ وَرنہ سب اِن
باتوں کو سُن کر اسی طرح مطمئن ہو جاتے
ہیں۔ جسطرح قصّوں اور کہانیوں کے سُننے
کے وقت ہوتے ہیں۔ کہانیاں سُنکر انہیں
کبھی یہ خیال نہیں آتا۔ کہ جن باتوں کا اُنمیں
ذکر ہے۔ اُن کو ہم دیکھیں۔ اور معلوم کریں۔
یہی حال طالب علموںکا ہوتا ہے۔ اور ایسے
ہی لوگوںکا جن کے خیال وسیع نہیں ہوتے
وہ سمجھتے ہیں۔ کہ صرف ایک نکتہ سے وہ
سب مباحثات میں فتح پا لینگے۔ وہ حیران
ہوتے ہیں۔ کہ دشمن کی فلاں دلیل کو توڑنا
کونسی مشکل بات ہے۔ ہمارے اُستاد نے
یا فلاں مولوی صاحب نے جو بات بتائی
ہے۔ اُس سے فوراً اِسے رد کیا جاسکتا ہے

اور دشمن کو اپنی بات منوانے کے لئے مجبور کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔ کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ کہ جو ایک غلط اور نادرست بات بھی ایسے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔ کہ عوام کو درست ہی معلوم ہو۔ یا ایک ایک بات میں اعتراض کے کئی ایسے پہلو نکالے جا سکتے ہیں۔ جنکی طرف پہلے ان کا خیال بھی نہیں گیا ہوتا ؞

دُوسری قسم دوسرا گروہ وہ ہے۔ جس کی نظر تو محدود نہیں ہے وہ دنیا میں پھرے ہیں۔ لوگوں سے ملے ہیں۔ مخالفین کے اعتراضات سننے کا انہیں موقع ملا ہے۔ مگر اُن کی نظر کی وسعت عرض کے لحاظ سے ہے۔ عمق کے لحاظ

سے نہیں ٭

مَیں نے عورتوں کو کئی دفعہ بڑی حیرت سے یہ کہتے سُنا ہے۔ کہ لوگ خدا کا انکار کس طرح کر سکتے ہیں۔ بھلا خدا کی ہستی کا بھی انکار کیا جا سکتا ہے۔ مگر اُن کو دُنیا کا علم نہیں ہوتا۔ اور وہ نہیں جانتیں۔ کہ دُنیا میں اَیسے بھی لوگ ہیں۔ جو حیرت سے پُوچھتے ہیں۔ کہ دُنیا خدا کو مانتی کیوُں ہے۔ بھلا اِس کے ماننے کے لئے بھی کوئی دلیل ہو سکتی ہے۔ اِن عورتوں نے مسلمانوں کے گھروں میں پَیدا ہو کر یہ سمجھا۔ کہ خدا کا انکار کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن اگر اُن کی نظر وسیع ہوتی اور وہ دنیا کے لوگوں کی حالت سے آگاہ ہوتیں۔ تو پھر وہ حیرت کے ساتھ یہ نہ کہتیں ٭

تو ہمارے مبلغوں میں سے بعض ایسے ہیں۔ جن کو عرض کے لحاظ سے تو وسعت حاصل ہے۔ مگر اُن کے اندر عمق نہیں ہے وہ یہ جانتے ہیں۔ کہ لوگوں میں مذہبی مسائل میں کتنا اختلاف ہے۔ مگر یہ نہیں جانتے۔ کہ کیوں ہے۔ کیوں پیدا ہوا ہے۔ اسکی وجوہات کیا ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ ایک شخص کوئیں میں جھانک کر دیکھتا ہے۔ کہ اس میں پانی ہے۔ اور اتنی جگہ میں ہے۔ مگر یہ نہیں جانتا۔ کہ کتنی گہری زمین سے جاکر پانی نکلا ہے۔ اور کس طرح نکلا ہے۔ تو یہ لوگ دنیا کے اعتراضات سے واقف ہیں۔ دُنیا کے خیالات سُننے کا انہیں موقع ملا ہے۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ

دُنیا میں دہریت پیدا ہو رہی ہے۔ اُنہیں علم ہے۔ کہ ایسے لوگ ہیں۔ جو مذاہب کے پیروؤں کو حقیر جانتے ہیں۔ مذاہب پر ہنسی اُڑاتے ہیں۔ مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ اِس کی وجوہات کیا ہیں۔ کیوں لوگوں میں ایسے خیالات پیدا ہو رہے ہیں۔ کیوں وہ مذاہب کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ؂

تیسری قسم تیسرا گروہ وہ ہے جس کو یہ تینوں باتیں حاصل ہیں۔ اس کی نظر بھی وسیع ہے۔ وہ لوگوں کے خیالات کے عرض سے بھی واقف ہے اور ان کے عمق کا بھی علم رکھتا ہے۔ یعنی اِن خیالات کے پیدا ہونے کے جو اسباب

ہیں۔ ان سے واقف ہے۔ اور جانتا ہے
کہ اس ظاہری تغیّر کے پس پردہ کیا طاقتیں
کام کر رہی ہیں٭

تینوں قسم کے لوگوں کو مخاطب کرنیکی غرض

اِس وقت جو باتیں میں کہونگا۔ وہ اِن
تینوں گروہوں کو مدِّ نظر رکھکر ہوں گی۔ اور
گو بعض کے لئے اِن کا سمجھنا مشکل ہوگا لیکن
جیساکہ میں نے بتایا ہے۔ ایک گروہ یعنی
طلباء کو سُنانے کی یہی غرض ہے۔ کہ
اس کے کان میں اِس قسم کی باتیں پڑتی رہیں
اور اس کے دِل میں نقش ہوتی رہیں۔
دُوسرے دو طبقوں کے لوگ جو اپنی واقفیت
اور تجربہ کی وجہ سے اِن باتوں کو سمجھ سکتے

ہیں۔ ان کو سُنانے کی یہ غرض ہے۔ کہ اگر انہیں معلوم نہ ہوں۔ تو اب واقف ہو جائیں۔ اور اگر معلوم ہوں۔ تو ان پر اور غور و فکر کریں۔ اور ان سے اچھی طرح فائدہ اُٹھائیں۔

مُبلّغ کے معنی اور اس کا کام

اِس تمہید کے بعد میں اس امر کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ کہ مبلّغ کسے کہتے ہیں اور اس کا کیا کام ہے۔ مُبلغ کے معنی ہیں پہنچا۔ دینے والا۔ مگر جب ہم یہ لفظ بولتے ہیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا۔ کہ خواہ وہ کچھ پہنچا دیے۔ اس کو مُبلّغ کہا جائیگا۔ بلکہ اِسلامی اصطلاح میں اس سے مُراد یہ

ہوتی ہے۔ کہ ایسا شخص جو دوسروں کو اسلام کی تعلیم پہنچائے۔ آج کل کے مُبلّغ تو ظلّی مُبلّغ ہیں۔ بعض لوگ نبوت ظلی پر ہی بحث کر رہے ہیں۔ مگر سچی بات یہ ہے۔ کہ ہمارا سبھی کچھ ظل ہی ظل ہے۔ ایمان بھی ظلی ہے۔ تبلیغ بھی ظلی ہے۔ کیونکہ پہلے اور اصلی مُبلّغ تو رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ ان کی وساطت اور ذریعہ سے ہی دوسرے لوگ مُبلّغ بن سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی حقیقی اور اصلی مومن ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ ہم سب ظلی مومن ہیں۔ کیونکہ ہم نے مومن بننے کے لئے جو کچھ لیا ہے۔ رسُول کریم سے ہی لیا ہے۔ تو حقیقی مُبلّغ رسول ص

کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اب ہم
دیکھتے ہیں۔ کہ ان کو خدا تعالیٰ نے کس
بات کا حکم دیا ہے۔ خدا تعالیٰ رسول کریم
کو فرماتا ہے۔ بلّغ ما انزل الیک من
ربک۔ جو کچھ تجھ پر تیرے رب کی طرف
سے اتارا گیا ہے۔ اسے لوگوں تک
پہنچا دے۔ اس کو مدنظر رکھکر اسلامی
مُبلّغ کے یہ معنی ہوئے۔ کہ جو کچھ رسول کریم
پر اتارا گیا ہے۔ وہ لوگوں تک پہنچا دے
اور اگر اس میں کوتاہی کرے۔ تو مُبلّغ نہیں
کہلا سکتا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ بلّغ ما
انزل الیک من ربک۔ پہنچا دے۔ جو
اُتارا گیا ہے۔ تجھ پر تیرے رب کی طرف سے
وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔ اور

اگر تو نے یہ کام نہ کیا۔ تو تب خدا کا پیغام نہ پہنچایا۔ اس کے اگر یہ معنی کئے جائیں۔ کہ تو نے خدا کا کلام اگر نہ پہنچایا۔ تو کلام نہ پہنچایا تو کلام بے معنی ہو جاتا ہے۔ مثلاً کوئی کہے کہ اگر تو نے روٹی نہیں کھائی۔ تو نہیں کھائی۔ یا پانی نہیں پیا تو نہیں پیا۔ تو یہ لغو بات ہو گی۔ کیونکہ جب روٹی نہیں کھائی۔ تو ظاہر ہے۔ کہ نہیں کھائی۔ پھر یہ کہنے کا کیا مطلب۔ کہ تو نے نہیں کھائی۔ یا پانی نہیں پیا۔ تو ظاہر ہے۔ کہ نہیں پیا۔ پھر یہ کہنے کا کیا مطلب۔ کہ تو نے نہیں پیا۔ اس لئے وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔ کے یہ معنی نہیں ہیں۔ کہ اگر تو نے خدا کا کلام نہیں پہنچایا۔ تو کلام نہیں پہنچایا۔

بلکہ یہ ہیں۔ کہ ما انزل الیک میں جو وسعت رکھی گئی ہے۔ اُس میں سے اگر کوئی بات نہیں پہنچائی۔ اُس کا کوئی حصّہ رہ گیا ہے تو تجھے جو کچھہ پہنچانا چاہیئے تھا۔ اسے تو نے گویا بالکل ہی نہیں پہنچایا۔ کیونکہ وہ کلام بتمام و کمال پہنچانا ضروری تھا۔

پس مبلغ کا کام یہ ہے۔ کہ جو کچھہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا۔ وہ سارے کا سارا دنیا میں پہنچا دے۔ اور جو حصّہ جس کے متعلق ہے۔ اسے پہنچائے یہ نہیں۔ کہ کسی اور کا حصّہ اور ہی کو دے آئے۔ یا بعض کو ان کا حصّہ پہنچا دے۔ اور بعض کو نہ پہنچائے۔ اگر وہ اس طرح کرے گا۔ تو اپنے فرض سے سبکدوش نہ

ہوگا۔ بلکہ اس کا فرض ہے۔ کہ جس جس کا حصّہ
ہے۔ اس تک پہنچا دے۔ مثلاً گھروں میں
حصّے بٹتے ہیں۔ لوگ نائنوں کو حصّہ دیتے
ہیں۔ کہ فلاں فلاں گھروں میں دے آؤ۔
اب اگر نائن کو دس حصّے پہنچانے کے لئے
دئے جائیں۔ اور وہ ان میں سے آٹھ تو
پہنچا دے۔ مگر دو نہ پہنچائے۔ تو وہ یہ نہیں
کہہ سکتی۔ آٹھ جو پہنچا آئی ہوں۔ اگر دو نہیں
پہنچائے۔ تو کیا ہوا۔ پس جس طرح اس کا
آٹھ حصّے پہنچا دینا۔ دو کے نہ پہنچانے کے
قصور سے اسے بری الذمہ نہیں کر سکتا۔ اسی
طرح مُبلّغ اگر ہر ایک کو اس کا حصّہ نہیں
پہنچاتا۔ بلکہ بعض کو پہنچا دیتا ہے۔ تو وہ بری الذ
نہیں ٹھہر سکتا۔ اِس لئے مُبلّغ کا فرض ہے

کہ اسے جس قدر اور جس کے لئے جو کچھ دیا گیا ہے۔ اسے پہنچا دے۔ یہ بھی نہیں۔ کہ سارے کا سارا ایک ہی کو پہنچا دے۔ مثلاً اگر ایک شخص کے گھر کے پاس جو آدمی رہتا ہو۔ وہ اسی عیسائیوں۔ دہریوں۔ آریوں۔ وغیرہ کے رد کے دلائل پہنچا دے۔ لیکن جن عیسائیوں۔ دہریوں یا آریوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہو۔ انہیں یونہی چھوڑ دے۔ تو اسکی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اس نے پہنچا دیا۔ کیونکہ اس کا فرض ہے۔ کہ دہریوں کے رد کے دلائل دہریوں کو بتائے۔ اور عیسائیوں کے رد کے دلائل عیسائیوں کو بتائے۔ اور آریوں کے رد کے دلائل آریوں کو پہنچائے۔ تو جس طرح کوئی شخص اگر وہ ساری چیزیں نہ پہنچائے۔ جو اسے

پہنچانے کے لئے دی جائیں۔ اور یا ان
سب کو نہ پہنچائے۔ جن کے لئے دی جائیں
بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح مُبلّغ
ساری باتیں نہ پہنچائے۔ اور جس جس کے
لئے ہیں۔ اس کو نہ پہنچائے۔ تو وہ مُبلّغ
ہی نہیں ہوسکتا۔ مثلاً کوئی اس طرح کرے
کہ عیسائیوں میں جائے۔ اور جاکر ان کی تو
تعریف کرے۔ اور ان میں یہودیوں کے خلاف
دلائل دینے شروع کردے۔ یا ہندوؤں
میں جائے۔ اور ان کی تو تعریف کرے لیکن
عیسائیوں کے خلاف تقریر شروع کردے
یا غیر احمدیوں میں جائے۔ اور ان کے بگڑے
ہوئے عقائد کے متعلق تو کچھ نہ کہے۔ مگر
مجوسیوں کے خلاف دلائل دینے شروع

کردے۔ تو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اور نہ وہ اپنے فرض سے سبکدوش سمجھا جائیگا۔ اسی بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیغامی ہم سے الگ ہوئے ہیں۔ ان کے لیکچراروں کا طریق تھا۔ کہ غیر احمدیوں میں گئے۔ تو عیسائیوں کے نقص بیان کرنے شروع کر دیئے۔ ہندوؤں میں گئے۔ تو کسی دوسرے مذہب کی برائیاں بیان کرنے لگ گئے۔ اور ساتھ ساتھ ان لوگوں کی جو ان کے سامنے ہوتے تعریف کرتے جاتے۔ گویا وہ کسی کی ٹوپی کسی کو دیتے اور کسی کی جوتی کسی کو پہنچا دیتے۔ اس کا جو کچھ نتیجہ ہوا۔ وہ ظاہر ہی ہے۔

جب تک جس قوم میں جو کمزوریاں اور نقائص ہوں۔ وہ اسے بتائے نہ جائیں۔

اس وقت تک کوئی مُبلّغ نہیں کہلا سکتا۔
کیونکہ بلّغ ما انزل الیک کے ماتحت ضروری
ہے۔ کہ یہودیوں میں جو نقص ہوں۔ وہ ان کو
بتائے جائیں۔ عیسائیوں میں جو نقص ہوں۔
وہ ان کو سُنائے جائیں۔ غیر احمدیوں میں جو
نقص ہوں۔ ان سے انہیں آگاہ کیا جائے۔
اور اپنی جماعت میں جو کمزوریاں ہوں۔ وہ
اپنے لوگوں کو بتائی جائیں۔ ہاں جو مُبلّغ بنانے
اور تیار کرنے والے ہوں۔ ان کا کام ہے
کہ ایک ایک شخص کو یہ سب باتیں بتائیں۔
لیکن جو شخص تبلیغ کرتا ہے۔ اِس کا فرض
ہے۔ کہ وہ جس قوم میں جائے۔ اس کی
کمزوریاں اور نقائص اس تک پہنچائے۔
اگر اس کے سامنے کِسی دوسری قوم کی

کمزوریوں کا ذکر کرے گا۔ تو یہ بلغ ماانزل الیک کے ماتحت نہ ہوگا۔

پس قرآن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ لوگوں کو ساری صداقتیں پہنچا دینی اور جو جس کا مُستحق ہے۔ اس کے پاس وہی پہنچانا مُبلّغ کا کام ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو پوری پوری صداقت نہیں پہنچاتا۔ تو وہ مُبلّغ نہیں ہو سکتا اور اگر کسی کے کام آنے والی صداقت کسی اور کو پہنچا دیتا ہے۔ تو بھی مبلغ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ پہنچانا نہیں ہوتا۔ بلکہ پھینکنا ہوتا ہے۔ مثلاً اگر چٹھی رسان کسی کا خط کسی کو دے آئے۔ تو یہ نہیں کہینگے۔ کہ وہ خط پہنچا آیا۔ بلکہ یہی کہیں گے۔ کہ پھینک آیا ہے ؎

غرض مُبلّغ کے لفظ نے بتا دیا۔ کہ جس کے کام آنے والی صداقت ہو۔ اسی کو پہنچانا ضروری ہے۔ اور ما انزل الیک نے بتا دیا۔ کہ ساری کی ساری پہنچانی چاہیئے۔ نہ کہ اس کا کچھ حصہّ پہنچا دیا جائے۔ اس چھوٹے سے فقرے میں مبلغ کا سارا کام بتا دیا گیا ہے؛

تبلیغ کی تقسیم

آگے پہنچانا دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک اصول کا پہنچانا۔ دوسرے فروع کا پہنچانا۔ غیر مذاہب کے لوگوں کے لئے تو اصول کی تعلیم پہنچانا ضروری ہے۔ اور جو ماننے والے ہوں۔ ان کے لئے تفصیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہ فلاں بات کس طرح کرنی چاہیئے۔ اور فلاں کس طرح

اس لحاظ سے تبلیغ کی موٹی تقسیم یہ ہوئی۔ کہ ایک تو ان لوگوں کو تبلیغ کرنا۔ جو اسلام کو نہیں مانتے۔ ان کو اصلی باتیں بتانی چاہیں اور دوسرے ان کو تبلیغ کرنا۔ جو مسلمان تو کہلاتے ہیں۔ مگر اسلام کی باتوں کو جانتے نہیں۔ یا جانتے ہیں۔ تو ان پر عمل نہیں کرتے۔ ان کو اصول کے علاوہ فروع سے بھی آگاہ کرنا ؞

غرض دو طرح کی تبلیغ ہوتی ہے۔ ایک ظاہر کے متعلق اور ایک باطن کے متعلق۔ وہ لوگ جو ابھی اسلام میں داخل ہی نہیں ہوئے۔ ان کے تو قفل لگے ہوئے ہیں۔ جب تک پہلے وہ نہ کھلیں۔ ان کے باطن میں کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ان کی بیرونی اصلاح کی ضرورت ہے۔

انہیں اصولی باتیں سمجھائی جائیں۔ مگر جو
اپنی جماعت کے لوگ ہیں۔ ان کے تو قفل
کھلے ہوئے ہیں۔ ان کی اندرونی اصلاح
کی جا سکتی ہے۔ ان میں روحانیت۔ تقویٰ۔
طہارت۔ اور پاکیزگی پیدا کرنے کی کوشش
کرنی چاہیئے ؂

مبلّغ کے کام کی اہمیّت

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ مبلّغ کا فرض بہت
بڑا ہوتا ہے۔ لوگ کسی ایک بات کو بھی آسانی
سے نہیں مانتے۔ لیکن مبلغ کا کام یہ ہوتا ہی
کہ ہزاروں باتوں کو منوائے۔ پھر ایک آدمی
سے منوانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ چہ جائے کہ
ساری دنیا کو منوایا جائے۔ انتظام کے

طور پر اور کام چلانے کے لئے خواہ مُبلّغوں کے لئے علاقے تقسیم کر دیئے جائیں۔ مگر اصل بات یہی ہے۔ کہ جو ضلع گورداسپور میں تبلیغ کرتا ہے۔ وہ اسی ضلع کا مُبلّغ نہیں ہے بلکہ ساری دُنیا کا مُبلّغ ہے۔ اسی طرح ضلع لاہور میں جو تبلیغ کرتا ہے۔ وہ لاہور کا مُبلّغ نہیں ہے۔ بلکہ ساری دنیا کا مُبلّغ ہے کیُونکہ مُبلّغ کے لئے کوئی خاص علاقہ مقرّر نہیں کیا گیا۔ بلکہ قرآن کریم میں یہی بتایا گیا ہے۔ کہ مُبلّغ کا علاقہ سب دنیا ہے۔

غرض مُبلّغوں کا کام بہت بڑا ہے۔ اور اتنا بڑا ہے۔ کہ حکومتیں بھی اس کام کو نہیں کر سکتیں۔ حکومتیں زور سے یہ باتیں منواتی ہیں۔ کہ چوری نہ کرو۔ قتل نہ کرو۔ ڈاکہ نہ ڈالو۔

مگر ان باتوں کو لوگوں کے دلوں سے نہیں
نکال سکتیں۔ حکومتیں یہ تو کر سکتی ہیں۔ کہ
مجرم کو پھانسی پر چڑھا کر مار دیں۔ لیکن یہ
نہیں کر سکتیں۔ کہ جرم کا میلان دل سے
نکال دیں۔ مگر مُبلّغ کا کام دِل سے غلط
باتوں کا نکالنا اور ان کی جگہ صحیح باتوں کو
داخل کرنا ہوتا ہے۔ پس مُبلّغ کا کام ایسا
مُشکل ہے۔ کہ حکومتیں بھی اِس کے کرنے
سے عاجز ہیں۔ اور باوجود ہتھیاروں۔ قید
خانوں۔ فوجوں۔ مجسٹریٹوں۔ اور دوسرے ساز و
سامان کے عاجز ہیں۔

مُبلّغ کے مددگار

جب مُبلّغ کا کام اس قدر وسیع اور اہم قدر

مُشکل ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ
اِس کام کو کیونکر کر سکتا ہے۔ اس کے
متعلق یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ وہ خدا جس نے
یہ کام بندوں کے ذمہ لگایا ہے۔ اس نے
ان کو بے مددگار نہیں چھوڑا۔ اگر مُبلّغ بے ساتھی
و مددگار کے ہوتا۔ تو اتنے بڑے کام کے
مقابلہ میں کچھ بھی نہ کر سکتا۔ مگر خدا تعالےٰ
نے مُبلّغ کو دو مددگار دیئے ہیں۔ جن کی
امداد سے وہ تبلیغ کر سکتا اور کامیاب ہو
سکتا ہے۔ اس کے رَاستہ میں روکیں آتی
ہیں۔ مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ مگر ان دو
مددگاروں سے کام لیکر وہ سب روکوں کو
دور کر سکتا ہے ؛

وہ مددگار کونسے ہیں۔ ان میں سے

ایک کا نام تو عقل ہے۔ اور دوسرے کا نام شعور۔ جب مُبلغ ان دو مددگاروں کی مدد حاصل کر سکتا ہے۔ تو پھر اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا؎

آگے چل کر میں تشریح کرونگا۔ کہ عقل سے میری کیا مُراد ہے۔ اور شعور سے کیا۔ اس جگہ اتنا ہی بتاتا ہوں۔ کہ یہ مبلغ کے مددگار ہیں۔ جب کوئی تبلیغ کے لئے جائے تو ان کو بلا لے۔ اور جب ان کی مدد اسے حاصل ہو جائے گی۔ تو وہ وہ کام بہت خوبی کے ساتھ کرلیگا۔ جو حکومتیں بھی نہیں کر سکتیں

عقل کی مدد سے مُراد

ہر ایک انسان میں خدا نے عقل بھی پیدا

کی ہے۔ اور شعور بھی۔ عقل سے میری مُراد
وہ مادہ اور انسان کے اندر کی وہ طاقت
ہے۔ جس کے ذریعہ انسان دلائل کے ساتھ
معلوم کرتا ہے۔ کہ فلاں بات درست ہے
یا غلط۔ بے شک بعض دفعہ انسان ضدی
بن جاتا ہے۔ اور ایک بات کو صحیح اور درست
جانتا ہوا اس کا انکار کر دیتا ہے۔ لیکن یہ
حالت بہت گند اور بہت دیر کی گمراہی کے
بعد پیدا ہوتی ہے۔ ورنہ کثیر حصّہ لوگوں
کا ایسا ہی ہے۔ کہ عقل کے فیصلہ کا مقابلہ
نہیں کر سکتا۔ جب اس کے سامنے ایسی
باتیں پیش کی جائیں۔ جو عقلی طور پر صحیح ثابت
ہوں۔ تو وہ ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ جس
کا مطلب یہ ہے۔ کہ جن باتوں کو عقلی لحاظ

سے ایک مُبلّغ معقول اور مدلّل سمجھتا ہے
ان کو دوسرے لوگ بھی معقول سمجھتے ہیں
بشرطیکہ اندھے کی بصارت کی طرح ان
کی عقل بالکل مردہ نہ ہوگئی ہو۔ اور وہ
اس کو بالکل مار نہ چکے ہوں۔ مگر جس طرح
اَندھے بہت کم ہوتے ہیں۔ اسی طرح
عقل کے اندھے بھی کم ہی ہوتے ہیں۔ اور
عموماً لوگ عقل کو مارتے نہیں۔ کیونکہ انہیں
اس سے دُنیاوی کام بھی کرنے ہوتے ہیں۔
پس لوگ عقل سے ضرور کام لیتے ہیں۔
اور جب اُن کے سامنے اَیسی باتیں پیش
کی جائیں۔ جو عقلی طور پر معقول ہوں۔ تو
وہ عقل سے کام لیکر ان کو تسلیم کر لیتے
ہیں۔ اور چونکہ خداتعالیٰ نے عقل کے

بہت سے دروازے رکھے ہیں۔ اسلئے
کسی نہ کسی دروازہ سے حق اندر داخل
ہو ہی جاتا ہے۔ اس لئے ہر ایک مُبلغ
کو چاہیئے۔ کہ اس سے ضرور کام لے۔
یعنی لوگوں کے سامنے ایسے دلائل پیش
کرے۔ جن کو عقل تسلیم کرتی ہے۔ اُس
ذریعہ سے وہ بہت جلدی دُوسروں سے
اپنی باتیں منوا لیگا۔ اور وہ کام کرلیگا۔
جو حکومتیں بھی نہیں کرسکتیں۔ ابھی دیکھہ
لو۔ کچھہ لوگوں نے غلط طور پر عام لوگوں
کے دلوں میں یہ خیال بٹھادیا ہے۔ کہ
گورنمنٹ سے اہل ہند کو کوئی فائدہ نہیں
پہنچ رہا۔ بلکہ نقصان پہنچ رہا ہے۔ گورنمنٹ
کے پاس طاقت ہے۔ سامان ہے

مگر وہ روک نہیں سکتی۔ کہ یہ خیال لوگوں کے دلوں میں نہ بیٹھے۔ وجہ یہ کہ اس خیال کو بٹھانے والے تو عقلی دلایل سے کام لے رہے ہیں۔ لیکن گورنمنٹ ان سے کام نہیں لے رہی۔ اس لئے اس کا کچھہ اثر نہیں ہو رہا۔ تو عقلی دلائل سے کام لینے پر بہت اعلیٰ درجہ کے نتائج نکل سکتے ہیں۔

شعور کی مدد سے مراد

اس سے بڑھکر شعور ہے۔ مگر جہان عقل کی نسبت زیادہ نتیجہ خیز ہے۔ وہاں خطرناک بھی ایسا ہے۔ کہ جس طرح بعض اوقات وائنامیٹ چلانے والے کو بھی ساتھ ہی اڑا کر لے جاتا ہے۔ اسی طرح

یہ بھی کام لینے والے کو اُڑا کر لے جاتا ہے۔ لوگوں نے شعور کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ مگر میری اس سے مُراد اس حس سے ہے۔ جو فکر اور عقل کے علاوہ انسان کے اندر رکھی گئی ہے۔ اور جسکا تعلق دلائل عقلیہ کے ساتھ نہیں ہوتا۔ بلکہ انسان کی اندرونی حسوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جسے ہم جذبات کہہ سکتے ہیں جیسے محبّت ہے۔ غضب ہے۔ شہوت ہے خواہش بقا ہے۔

بہت دفعہ عقلی دلائل سے کسی مسئلہ کو ثابت کرنے سے اس قدر اس کی طرف میلان یا اس سے نفرت پیدا نہیں ہوتی۔ مگر ان جذبات کو اُبھار دینے سے انسان

فوراً بات کو قبول کر لیتا ہے۔ اور ان
احساسات کو اُبھار کر بڑے بڑے کام
لئے جا سکتے ہیں۔ اور لئے جاتے ہیں۔
اور اس کے ذریعہ ایک گھڑی میں کچھ کا
کچھ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ دیکھا ہوگا کہ کہیں
بحث ہو رہی ہے۔ جب مولوی دیکھے کہ
میں ہارنے لگا ہوں۔ تو وہ کہدیگا مسلمانو!
تمہیں شرم نہیں آتی۔ رسول کریم کی ہتک
ہو رہی ہے۔ تم خاموش بیٹھے سُن رہے
ہو۔ یہ سُن کر سب کو جوش آجائیگا۔ اور
وہ شور ڈال دینگے۔ چاہے ہتک ہو رہی
ہو۔ یا نہ ہو رہی ہو۔ جذبات جس وقت اُبھر
جاویں۔ تو غلط اور صحیح کی بھی تمیز نہیں
رہتی۔ اور ایک رو چل پڑتی ہے۔ جس

ہیں لوگ بہنے لگ جاتے ہیں۔ غلط طور
پر اس سے کام لینا جائز نہیں۔ لیکن جب
عقل اس کی تائید کرتی ہو اور حق اور صداقت
کے لئے حق اور صداقت کے ساتھ کام
لیا جائے۔ تو اسکا استعمال جائز ہے بلکہ
بسا اوقات ضروری ہے۔ چنانچہ قرآن
کریم میں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اس طریق سے
بہت کام لیا گیا ہے۔ اور پھر حضرت
مسیح موعودؑ نے بھی اس سے خوب ہی
کام لیا ہے۔ آپ وفات مسیحؑ کے
متعلق دلائل لکھتے لکھتے یہ بھی لکھ جاتے
ہیں۔ کہ رسولؐ کریم تو زمین میں دفن ہوں
اور حضرت عیسیٰ آسمان پر بیٹھے ہوں۔ ایک
مسلمان کی غیرت اس بات کو کس طرح

گوارا کر سکتی ہے۔ یہ وفات مسیح کی عقلی دلیل نہیں۔ لیکن ایک رُوحانی دلیل ہے اور اس سے جذبات بھی اُبھر آتے ہیں۔ اور اس کا جس قدر دلوں پر اثر ہوتا ہے ہزارہا دلیلوں کا نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے وہ میلان طبعی جو نسلاً بعد نسلٍ اسلام سے تعلق رکھنے کے سبب سے ایک مُسلمان کے دل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہے۔ وہ خود بخود جوش میں آجاتا ہے۔ اور اور کسی بات کو سامنے نہیں آنے دیتا۔

حضرت صاحب کی تمام کتابوں میں یہی بات ملتی ہے۔ اگر عقلی دلائل اور شعور سے کام لینے کے دونوں پہلوؤں کو مدِّ نظر

رکھکر دیکھیں۔ تو دونوں پائے جاتے
ہیں۔ اور اگر صرف عقلی دلائل کو مدّنظر رکھیں
تو ساری کتاب میں عقلی دلائل ہی نظر
آتے ہیں۔ اور اگر جذبات کے پہلو کو مدّنظر
رکھکر دکھیں۔ تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ ساری
باتیں ایسی ہیں۔ جن کے ذریعہ جذبات کو
تحریک کی گئی ہے۔ ہر ایک شخص کی کتاب
میں یہ بات نہیں پائی جاسکتی۔ اور یہ حضرت
صاحب کے قادرالکلام ہونے کا ثبوت ہے
آپ نے عقلی دلائل اور جذبات کو ایسے
عجیب رنگ میں ملایا ہے۔ کہ ایسا کرنا ہر
ایک کا کام نہیں ہے۔ لیکن گو ہر ایک
اس طرح نہیں کر سکتا۔ مگر یہ کر سکتا ہے
کہ ان سے الگ الگ طور پر کام لے عقلی

دلائل سے الگ کام لے۔ اور جذبات سے الگ ۔

حضرت صاحب نے ہر موقعہ پر جذبات کو اُبھارا ہے۔ اور کبھی محبّت کبھی غضب کبھی غیرت کبھی بقائے نسل کے کبھی حیا کے جذبات میں حرکت پیدا کی ہے۔

چنانچہ آپ نے عیسائیوں کو مخاطب کرکے لکھا ہے۔ کہ کیا تم لوگ مسیح کی نسبت صلیب پر مرنے کا عقیدہ رکھکر اسے ملعون قرار دیتے ہو۔ اس پر غور کرو۔ اور سوچو۔ اس طرح ان کے دلوں میں حضرت مسیح کی محبت کے جذبات کو پیدا کر دیا گیا۔ اور اس جائز محبت کے جذبات کے ذریعہ اس ناجائز محبّت کے جذبات کو کہ اونہوں نے مسیح کو خدا سمجھ رکھا ہے

کاٹ دیا گیا ٭

دونوں مددگاروں سے اکٹھا کام لینا چاہیے

غرض خدا تعالےٰ نے مُبلّغ کو یہ مَددگار اَور ہتھیار دیئے ہیں۔ (۱) دَلائل عقلی پیش کرنا۔ (۲) جذبات کو صحیح اور درست باتوں کے متعلق ابھارنا۔ ان میں سے اگر کسی ایک کو چھوڑ دیا جائے۔ اور اس سے کام نہ لیا جائے۔ تو کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اگر صرف جذبات کو اُبھارنا شروع کر دیا جائے۔ اور دلائل دینے چھوڑ دیئے جائیں۔ تو بہُت نقصان ہوگا۔ کیُونکہ جب لوگ عقلی دَلائل کو چھوڑ دینگے۔ تو پھر ایسی حالت ہو جائیگی۔ کہ وہ ہمارے کام کے بھی نہ رہیں گے۔ اور

اگر خالی دلایل سے کام لیا جائے۔ تو ہمارے مُبلغ صرف فلاسفر بن جائینگے۔ دین سے ان کا تعلق نہ رہیگا۔ اور اس طرح بھی نقصان ہوگا

اِن باتوں کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے

پس اعلیٰ نتائج پیدا کرنے کے لئے ان دونوں ذریعوں سے کام لینا ضروری ہے مگر یہ بھی اسی وقت کام دے سکتے ہیں۔ جبکہ انسان خود نمونہ کے طور پر بن جائے۔ تم دَلائل عقلی پیش کرو۔ مگر تمہاری اپنی حالت اَیسی نہ ہو۔ کہ دیکھنے والے اُلجھیں۔ کہ عقلاً تم جس بات پر قائم ہو۔ اس سے تم کو فایدہ نہیں ہے۔ تو ان پر کبھی ان دَلائل کا خاص اثر نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر تم پر ان دَلائل نے

کوئی اثر نہیں کیا۔ تو خوب یاد رکھو۔ کہ تمہاری
کوئی دلیل دوسروں پر بھی کوئی اثر نہ کرے
گی۔ تم جو دلائل دو۔ پہلے اپنے آپ کو ان کا
نمونہ بناؤ۔ اپنے اوپر ان کا اثر دکھاؤ۔ اور
پھر دوسروں سے ان دلائل کے تسلیم کرنے
کی توقع رکھو۔ اسی طرح جذبات کا حال ہے
جذبات کو ابھارنے والی وہی تقریر اثر کرے
گی۔ کہ جس وقت انسان تقریر کر رہا ہو۔ اس
کے اپنے دل میں بھی ایسے ہی جذبات پیدا
ہو رہے ہیں۔ کیونکہ دوسروں کے جذبات
اس وقت تک نہیں ابھر سکتے۔ جب تک
ظاہری الفاظ کے ساتھ اندرونی جذبات
بھی نہ ہوں۔ اس لئے اپنے دل میں بھی
ان جذبات کا پیدا کرنا ضروری ہے۔ ورنہ

ایسی تقریر کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ اسی طرح
عقلی دلائل اس وقت تک اثر نہ کریں گے
جب تک ان کے ماتحت انسان خود اپنے
اندر تبدیلی نہ پیدا کریگا۔ اگر انسان خود تو
ان دلائل کے ماتحت تبدیلی نہ کرے۔ اور
دوسروں کو کہے۔ تو وہ ہرگز اس کی باتوں
کی طرف توجہ نہ کریں گے۔ اور اس کی مثال
ایسی ہی ہوگی۔ جیسا کہ کہتے ہیں۔ کسی لومڑ
کی دُم کٹ گئی تھی۔ اس نے اپنی شرمندگی
مٹانے کے لئے تجویز کی۔ کہ سب کی دُمیں
کٹانی چاہئیں۔ اس نے دوسرے لومڑوں کو
بتایا۔ کہ دُم کی وجہ سے ہی ہم قابو آتے
ہیں۔ اس کو کٹا دینا چاہیئے۔ تاکہ ہم پکڑے
نہ جائیں۔ یہ سُن کر سب کٹانے کے لئے

تنہا رہو گئے۔ کہ ایک بوڑھے لومڑ نے کہا۔ ذرا تم خود تو دکھاؤ۔ کہ تمہاری دُم ہے۔ یا نہیں۔ اگر ہے۔ تو ہم سب کٹانے کیلئے چلیں۔ اور اگر تمہاری پہلے ہی کٹی ہوئی ہے۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ تم ہماری بھی کٹوانی چاہتے ہو۔ باقی یُونہی باتیں ہی ہیں ؀

تو عقلی دَلائل کا اس وقت تک اثر نہیں ہوتا۔ جب تک کہ خود دلیل دینے وَالے میں اس دلیل کا ثبوت نہ پایا جاتا ہو۔ ایسی صورت میں لوگ یہی کہیں گے۔ کہ بیشک دلیل تو معقول ہے۔ مگر یہ بتاؤ۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا۔ اور تم نے اس سے کیا فائدہ اُٹھایا۔ اگر نتیجہ کچھہ نہیں۔ اور کوئی فائدہ

حاصل نہیں ہوتا۔ تو پھر کیوں ہم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تمہارے مذہب کو قبول کریں اور خواہ مخواہ نقصان اُٹھائیں۔

اسی طرح جذبات کو اُبھارتے وقت اگر صرف الفاظ استعمال کئے جاویں۔ اور ان کے ساتھ روح نہ ہو۔ تو وہ الفاظ بھی اثر نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہوتی ہے۔ کہ بہت لوگ جو بڑے زور شور سے تقریریں کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ مگر جن مقرروں کے اپنے جذبات اُبھرے ہوئے ہوں۔ خواہ کسی سچّی وجہ سے یا جھوٹی وجہ سے ہی۔ ان کے الفاظ اثر کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی سمجھے۔ کہ مجھے دکھ پہنچا ہوا ہے۔ حالانکہ دراصل ایسا نہ

ہو۔ تو بھی اس کا اثر اس کی آواز میں پایا جائیگا۔ اور پھر سُننے والوں پر ہوگا۔ اس کے بالمقابل اگر کسی کو فی الواقع کوئی تکلیف پہنچی ہو۔ لیکن اس کا قلب اسے محسوس نہ کرتا ہو۔ تو کوئی اس کی باتوں سے متاثر نہ ہوگا ۔

پس دوسروں کے جذبات ابھارنے کے لئے یہ ضروری ہے ۔ کہ جب انسان بول رہا ہو ۔ تو اس کے اپنے جذبات بھی اُبھرے ہوئے ہوں۔ مثلاً جب کوئی مُبلغ مسلمانوں میں تقریر کر رہا ہو۔ اور کہہ رہا ہو۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کو فضیلت نہ دینی چاہیئے۔ ان کی عزت ان کا رتبہ ان کا درجہ سب انبیاء سے اعلیٰ ہے۔ تو اس

کے ساتھ ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی محبّت اس کے دل میں بھی موجزن ہونی
چاہیئے۔ اور اس کے دل سے بھی جذبات
کی لہر اُٹھنی چاہیئے۔ تب دوسروں پر اثر
ہوگا۔ مسمریزم کیا ہے۔ یہی کہ جذبات کو
اُبھارنا۔ اور شعور کا دل سے کام لینا۔
اس کی بڑی شرط یہی ہے۔ کہ جس شخص کو
سلانا ہو۔ اس کے سامنے کھڑے ہو کر
انسان یہ یقین کرے۔ اور اس حالت کو
اپنی آنکھوں کے سامنے لائے۔ کہ وہ سو
گیا ہے۔ جب یہ کیفیت کسی انسان میں

پیدا ہو جاتی ہے۔ تو دوسرا آدمی فوراً سو
جاتا ہے۔ اسی طرح اپنے قلب میں جو کیفیت
بھی پیدا کر لی جائے۔ اس کا اثر دوسروں

پر ضرور ہو جاتا ہے ؂

غرض تبلیغ کرنے والوں کے لئے یہ دو لوب باتیں نہایت ضروری ہیں۔ کہ وہ عقلی دلائل کا ظاہری نمونہ بھی ہوں۔ اور پھر جذبات بھی ان میں موجود ہوں۔ یوں تو ہر وقت ہی ہوں۔ مگر تقریر کرتے وقت خاص طور پر ابھرے ہوئے ہوں۔

یہ جو باتیں میں نے بتائی ہیں۔ یہ تو اصولی ہیں۔ اب میں کچھ فروعی باتیں بتاتا ہوں۔ جو ہر ایک مُبلّغ کو یاد رکھنی چاہئیں ؂

پہلی ہدایت

سب سے پہلے یہ ضروری بات ہے۔ کہ مُبلّغ بے غرض ہو۔ اور سُننے والوں کو معلوم ہو۔ کہ اِس کی ہم سے کوئی ذاتی غرض نہیں ہے۔

ورنہ اگر مُبلغ کی کوئی ذاتی غرض ان لوگوں سے ہوگی۔ تو وہ خواہ نماز پرہی تقریر کر رہا ہوگا سُننے والوں کو یہی آواز آرہی ہوگی۔ کہ مجھے فلاں چیز دیدو۔ فلاں دیدو۔ مُسلمانوں کے واعظوں میں یہ بہت ہی بُری عادت پیدا ہوگئی ہے۔ کہ وہ اپنے وعظ کے بعد کوئی غرض پیش کرکے امداد مانگنا شروع کردیتے ہیں۔ اس سے سُننے والوں کے ذہن میں یہ بات داخل ہوگئی ہے۔ کہ وعظ کرنے والے کو کچھ نہ کچھ دینا چاہیئے۔ اور اسے ایک فرض سمجھا جاتا ہے۔

یہ ایسی بُری رسم پھیلی ہوئی ہے۔ کہ جب کوئی واعظ وعظ کر رہا ہو۔ تو سُننے والے حساب ہی کر رہے ہوتے ہیں۔ کہ ہمارے

پاس کیا ہے۔ اور ہم اس میں سے کِسقدر
مولوی صاحب کو دے سکتے ہیں۔ اور کتبنا
گھر کے خرچ کے لیئے رکھ سکتے ہیں۔ اس
رسم کی وَجہ یہی ہے۔ کہ عام طور پر مولوی
وعظ کر کے پیچھے مانگتے ہیں۔ کہ مجھے فلاں
ضرورت ہے۔ اسے پُورا کر دیا جائے۔ اس
کا بہت بُرا اثر ہو رہا ہے۔ کیُونکہ واعظ
کی باتوں کو توجہ اور غور سے نہیں سُنا جاتا۔
پس واعظ کو بالکل مستغنی المزاج اور
بے غرض ہونا چاہیئے۔ اگر کِسی وَقت شامت
اعمال سے کوئی طمع یا لالچ پیدا بھی ہو۔ تو
وعظ کرنا بالکل چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور توبہ
واستغفار کرنا چاہیئے۔ اور جب وہ حالت
دور ہو جائے۔ پھر بے غرض ہو کر کھڑا ہونا

چاہیئے۔ اور وعظ کے ساتھ اپنے اندر
اور باہر سے لوگوں پر ثابت کر دینا چاہیئے
کہ وہ ان سے کوئی ذاتی فایدہ اور نفع
کی اُمید نہیں رکھتا۔ اور نہ ان سے اپنی
ذات کے لئے کچھ چاہتا ہے۔ جب
کوئی مُبلّغ اپنے آپ کو ایسا ثابت کر
دیگا۔ تو اس کے وعظ کا اثر ہوگا۔ ورنہ
وعظ بالکل بے اثر جائیگا۔

اسی طرح دوسرے وقت میں بھی
سوال کرنے سے واعظ کو بالکل بچنا
چاہیئے۔ سوال کرنا تو یوں بھی منع ہے
اور کسی مومن کے لئے پسندیدہ بات
نہیں ہے۔ لیکن اگر واعظ سوال کریگا۔
تو یہ سمجھا جائیگا۔ کہ وعظ اسی وجہ سے

ہی کرتا ہے۔ پس یہ نہایت ہی ناپسندیدہ
بات ہے۔ اور واعظوں کو خاص طور پر
اس سے بچنا چاہیئے۔ ورنہ ان کے وعظ
کا اثر زائل ہو جائیگا۔ یا کم ہو جائیگا ؂

دوسری ہدایت

دوسری بات واعظ
کے لئے یاد رکھنے کے
قابل یہ ہے۔ کہ دلیر ہو۔ جب تک واعظ دلیر
نہ ہو۔ اس کی باتوں کا دوسروں پر اثر نہیں
پڑتا۔ اور اس کا دائرہ اثر بہت محدود رہ
جاتا ہے۔ کیونکہ وہ انہی لوگوں میں جانے
کی جرأت کرتا ہے۔ جہاں اس کی باتوں پر
واہ واہ ہوتی ہے۔ لیکن اگر دلیر ہوتا۔ تو ان
میں بھی جاتا۔ جو گالیاں دیتے۔ دھکے دیتے
اور برا بھلا کہتے ہیں اور اس طرح اس کا حلقہ

بہت وسیع ہوتا۔ ہماری جماعت کے مُبلّغ
سَوال کرنے سے تو بچے ہُوئے ہیں۔ اَور
ان میں سے بہت ہی غنا کی حالت بھی
پائی جاتی ہے۔ مگر یہ کمزوری ان میں بھی
ہے۔ کہ جہاں اپنی جماعت کے لوگ ہوتے
ہیں۔ وہاں تو جاتے ہیں۔ اَور وَعظ کرتے
ہیں۔ لیکن جہاں کوئی نہیں ہوتا۔ وہاں
نہیں جاتے۔ اِس کی وَجہ یہی ہے۔ کہ ان
کے دل میں مخفی طور پر دَاہ دَاسُننے کی
عادت جاگزین ہوتی ہے۔ وہ دَورے
کرتے ہیں۔ اَور بیس بیس دَفعہ جاتے ہیں
مگر انہی مقامات پر جہاں پہلے جا چکے ہیں
اَور جہاں احمدی ہوتے ہیں۔ اَور جس جگہ
کوئی احمدی نہ ہو۔ وہاں اس خیال سے

کہ ممکن ہے۔ کوئی گالیاں دے۔ یا مارے۔
نہیں جاتے۔ حالانکہ سب سے زیادہ ضرورت
انہی مقامات پر جانے کی ہوتی ہے۔ جہاں
کوئی احمدی نہ ہو۔ کیونکہ جہاں بیج ڈال دیا
گیا ہے۔ وہاں وہ خود بڑھیگا۔ اور جہاں ابھی
بیج ہی نہیں پڑا۔ وہاں ڈالنا چاہیئے۔ اور
خدا تعالیٰ کی بھی یہی سنت معلوم ہوتی ہے
کہ کسی ایک جگہ ساری کی ساری جماعت
نہیں ہوتی۔ بلکہ متفرق طور پر ہوتی ہے
اسی قادیان میں دیکھ لو۔ یہاں کے سارے
باشندوں نے تو حضرت مسیح موعودؑ کو نہیں
مان لیا۔ بلکہ اشد ترین مخالف یہاں ہی ہیں
مگر بٹالہ کے کچھ لوگوں نے آپ کو مان لیا
پھر وہاں بھی سب نے نہیں مانا۔ بلکہ اکثر

مخالف ہی ہیں۔ پھر لاہور میں کچھ لوگوں نے مان لیا۔ اسی طرح کچھ نے کلکتہ میں مانا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے بیج کی طرح صداقت کو بویا ہوا ہے۔ اور اس طرح خدا تعالیٰ صداقت کے مقام اور چھاؤنیاں بنانا جاتا ہے۔ تاکہ ان کے ذریعہ ارد گرد اثر پڑے ؎

پس یہ خیال بالکل نادرست ہے۔ کہ فلاں جگہ کے سب لوگوں کو احمدی بنالیں۔ تو پھر آگے جائیں۔ اگر ایسا ہونا ضروری ہوتا تو قادیان کے لوگ جب تک سب کے سب نہ مان لیتے۔ ہم آگے نہ جاتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اور نہ ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ بعض ایسی طبائع ہوتی ہیں۔ کہ

دس بیس دن میں مان جاتی ہیں۔ بعض اس
سے زیادہ عرصہ میں بعض دو تین سال
میں اور بعض دس پندرہ سال میں۔ اور
ہر جگہ ایسی طبائع کے لوگ ہوتے ہیں۔
اب اگر ان لوگوں کی وجہ سے جنہوں نے
لمبے عرصہ کے بعد ماننا ہے۔ دوسری جگہ
نہ جائینگے۔ تو وہاں کے ایسے لوگوں کو
جو جلدی ماننے والے ہیں۔ اپنے ہاتھ
سے کھو دینگے۔ اور ان کو اپنے ساتھ نہ
ملا سکینگے۔ مگر ہمارے مبلّغوں نے ابھی تک
اس بات کو سمجھا نہیں۔ اور اسی کے نہ سمجھنے
کی وجہ سے ہزاروں اور لاکھوں آدمی ایسے
ہیں۔ جو صداقت کو قبول کرنے سے ابھی
تک محروم ہیں۔ اگر سب جگہ ہماری جماعت

کے مُبلّغ جاتے۔ تو بہت سے لوگ مان لیتے۔ چونکہ ہر جگہ ایسی طبیعتیں موجود ہیں۔ جو جلد صداقت کو قبول کرنے والی ہوتی ہیں۔ اس لئے ہر جگہ تبلیغ کرنی چاہیئے۔

یہاں ایک دوست نے بتایا۔ کہ ایک شخص ان کو ریل میں ملا۔ معمولی گفتگو ہوئی۔ اور اس نے مان لیا۔ اور پھر وہ یہاں آیا۔ صرف تین روپے اس کی تنخواہ ہے۔ اور روٹی کپڑا اسے ملتا ہے۔ مگر اس میں بڑا اخلاص ہے۔ اور اخبار خریدتا ہے۔ تو صرف ایک دن کی ملاقات کی وجہ سے وہ احمدی ہو گیا۔

ہمیں دائرہ اثر وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر مبلّغین کی کمزوری کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ مُبلّغ کو دلیر ہونا چاہیئے۔ اس کا ایک

نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ مُبلّغ کی دلیری اَور
جُرأت کا بھی دوسروں پر اثر پڑتا ہے۔ اَور
لوگ اس کی جرأت کو دیکھکر ہی مان لیتے
ہیں۔ کئی ہندو اَور مسلمان اِسی لئے عیسائی
ہو گئے۔ کہ اونہوں نے پادریوں کی اشاعت
مسیحیت میں دلیری اَور جرأت کو دیکھا۔ اور
اَور اس سے متاثر ہو گئے۔ تو مُبلّغ کو دلیر
ہونا چاہیئے۔ اَور کسی سے ڈرنا نہیں چاہیئے
اَور اَیسے علاقوں میں جانا چاہیئے۔ جہاں تما
حال تبلیغ نہ ہوئی ہو۔

دلیری اَور جرأت اَیسی چیز ہے۔ کہ تمام
دُنیا میں اکرام کی نظر سے دیکھی جاتی ہے
اَور مُبلّغ کے لئے سب سے زیادہ دلیر ہونا ضروری
ہے۔ کیونکہ وہ دوسروں کے لئے نمونہ بن

گر جاتا ہے۔ اگر مُبلّغ ہی دلیر نہ ہوگا۔ تو دوسروں میں جو اسے اپنے لئے نمونہ سمجھتے ہیں۔ دلیری کہاں سے آئیگی۔ ہمارے مُبلغوں میں اس بات کی کمی ہے۔ اور وہ بہت سے قصبے اسی دلیری کے نہ ہونے کی وجہ سے فتح نہیں کر سکتے۔ وَرنہ بعض علاقے اَیسے ہیں۔ کہ اگر کوئی جرأت کرکے چلا جائے۔ تو صرف دیا سلائی لگانے کی ضرورت ہو۔ آگے خود بخود شعلے نکلنے شروع ہو جاینگے مثلاً افغانستان اور خاصکر سرحدی علاقے۔ ان میں اگر کوئی مبلغ زندگی کی پروانہ کرکے چلا جائے۔ تو بہت جلد سارے کے سارے علاقہ کے لوگ احمدی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اون کی حالت عربوں کی طرح کی ہے۔

وہ جب احمدی ہوں گے۔ تو اکٹھے کے اکٹھے
ہی ہوں گے۔ عام طور پر متمدن ممالک میں
قوانین کے ذریعہ بہت کام چلایا جاتا ہے۔ مثلاً
اگر یہاں کسی کو کوئی دشمن قتل نہیں کرتا۔ تو
اس لئے نہیں۔ کہ زید یا بکر کے دوست اور
اس کے ہم قوم اس کا مقابلہ کریں گے۔ بلکہ
اس لئے قتل نہیں کرتا۔ کہ قانون اسے پھانسی
دیگا۔ اس لئے ایسے ممالک میں جو متمدن ہوں۔
قانون کے ڈر کی وجہ سے لوگ ظلم سے رکتے
ہیں۔ لیکن جہاں تمدن نہ ہو۔ وہاں ذاتی
تعلقات بہت زوروں پر ہوتے ہیں۔ کیونکہ
ہر ایک شخص اپنا بچاؤ اسی میں سمجھتا ہے۔ کہ
وہ اپنی قوم کے آدمیوں کی جنبہ داری کرے
تا وہ بھی بوقت ضرورت اس کی جنبہ داری

کریں۔ اور اس طرح ان ممالک میں کوئی شخص اکیلا نہیں ہوتا۔ جو حال یہاں گھرانوں کا ہوتا ہے۔ وہ ان ممالک میں قوموں کا ہوتا ہے۔ اور اگر ان ممالک میں پندرہ بیس آدمی جان ہتھیلی پر رکھکر چلے جائیں۔ اور کچھ لوگوں کو بھی احمدی بنا لیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ارد گرد کی قومیں ان پر ظلم کریں گی۔ اور قومی جنبہ داری کے خیال سے ان کے ہمقوم بھی احمدیت کو قبول کرلیں گے۔ اور اس طرح تھوڑے ہی عرصہ میں تیس۳۰ چالیس لاکھ آدمی سلسلہ میں داخل ہو سکتا ہے؂

افریقہ کے لوگ اسی طرح عیسائی ہوئے۔ پہلے پہل ان میں ایک عورت گئی۔ جو علاج

وغیرہ کرتی تھی۔ اس وجہ سے وحشی لوگ
اسے کچھ نہ کہتے۔ لیکن ایک دن اونہیں
غصہ آگیا۔ اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے
کھا گئے۔ اوس عورت کا ایک نوکر تھا۔
جسے اوس نے عیسائی کیا ہوا تھا۔ اس نے
تین سو میل کے فاصلہ پر جاکر جہاں انگریز
موجود تھے۔ بتایا کہ وہ عورت ماری گئی ہے
وہاں سے ولایت تار دی گئی۔ اور لکھا
ہے۔ کہ جب ولایت میں اس عورت کے
مرنے کی تار شایع ہوئی۔ تو جس مشن سے
وہ عورت تعلق رکھتی تھی۔ اسمیں صبح سے
لیکر شام تک بہت سی عورتوں نے درخواستیں
دیں۔ کہ ہم کو وہاں بھیجدیا جائے۔ چنانچہ بہت
سے مبلغ اپنے خرچ پر وہاں گئے۔ اور

سارے یوگنڈا علاقہ کے لوگ عیسائی ہو گئے
وہ عورت سات سال تک اکیلی وہاں
کام کرتی رہی۔ اور جب وہ ماری گئی۔ تو
اس کی دلیری اور جرأت کی وجہ سے سب
میں جرأت پیدا ہو گئی۔ اور اُنہوں نے کسی
خطرے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہاں جانے
کی درخواستیں دے دیں +
پس مبلّغ کی جرأت بہت بڑا کام کرتی
ہے۔ اور اس کی وجہ سے دوسروں میں بھی
جرأت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ ایک
شخص نے خوشی سے سُنایا۔ کہ پیغامیوں
کے مبلّغوں کو ایک جگہ مار پڑی ہے۔ وہ
تو خوش ہو کر سُنا رہا تھا۔ مگر میں اس وقت
افسوس کر رہا تھا۔ کہ وہاں ہمارے مبلّغ

کیوں نہ تھے۔ جنہیں مار پڑتی۔ اور دلیری
اور جرأت دکھانے کا اونہیں موقعہ ملتا۔
گو افسوس ہے۔ کہ پیغامی مبلغوں نے بزدلی دکھائی
اس موقعہ کو ضایع کردیا۔ مگر ان کا مار کھانا
خود کوئی ہتک کی بات نہ تھی۔ بلکہ اگر وہ دلیری
سے کام لیتے۔ تو یہ ایک قابل قدر کارنامہ ہوتا
ہمارے واعظ حکیم خلیل احمد صاحب کو جب
مدراس میں تکلیف پہنچی۔ اور ان پر سخت
خطرناک حملہ کیا گیا۔ اور ان کے قتل کرنے
کی کوشش کیگئی۔ تو مجھے بہت خوشی ہوئی
اور میں نے اس خبر کو اخبار میں شایع کرایا۔
جس پر ایک دوست نے سخت افسوس
کا خط لکھا۔ کہ اخبار والوں کو منع کیا جائے
کہ ایسی خبر نہ شایع کیا کریں۔ حالانکہ وہ خبر

ہیں نے خود لکھکر شایع کرائی تھی۔ اور منجملہ اور حکمتوں کے ایک یہ غرض بھی۔ کہ اس خبر کے شایع ہونے سے جماعت میں غیرت پیدا ہو۔ اور ان میں سے اور لوگ اپنے آپ کو تبلیغ کے لئے پیش کریں۔ یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ میرا یہ منشاء نہیں۔ کہ خود بخود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالو۔ بلکہ یہ مطلب ہے۔ کہ کسی جگہ کی تبلیغ اس لئے مت ترک کرو۔ کہ وہاں کوئی خطرہ ہے۔ اور نہ میرا یہ منشاء ہے۔ کہ لوگ بیشک تکلیف دیں۔ اس تکلیف کا مقابلہ نہ کرو۔ بے شک قانوناً جہاں ضرورت محسوس ہو۔ اسکا مقابلہ کرو۔ مگر تکالیف اور خطرات تمہیں اپنے کام سے نہ روکیں۔ اور تمہارا حلقۂ کار محدود نہ کردیں۔

میں نے اخلاق کے مسئلہ کا مطالعہ کیا
ہے۔ اور دیکھا ہے۔ کہ ستر فیصدی گنہ
جرأت اور دلیری کے نہ ہونے کے سبب سے
پیدا ہوتے ہیں۔ اگر جرأت ہو۔ تو اس
قدر گنہ نہ ہوں۔ پس دلیری اپنے اندر
پیدا کرو۔ تاکہ ایک تو خود ان گناہوں سے بچو۔
جو جرأت نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں
اور دوسرے تمہاری کوششوں کے اعلیٰ
نتائج پیدا ہوں۔ ہاں اس کے ساتھ یہ بات
بھی یاد رکھو۔ کہ اپنی طرف سے ہر قسم کے فساد
یا جھگڑے کے دور کرنے کی کوشش کرو۔
اور موعظہ حسنہ سے کام لو۔ اس پر بھی اگر
کوئی تمہیں دکھ دیتا ہے۔ مارتا ہے گالیاں
نکالتا ہے۔ یا برا بھلا کہتا ہے۔ تو اسکو

برداشت کرو۔ اور ایسے لوگوں کا ایک ذرہ
بھر خوف بھی دلمیں نہ لاؤ ؀

تیسری ہدایت تیسری بات مُبلّغ کے
لئے یہ ضروری ہے۔ کہ
اس میں لوگوں کی ہمدردی اور اون کے
متعلق قلق ہو۔ جس جگہ گیئے۔ وہاں ایسے
افعال کیئے۔ کہ لوگوں کو معلوم ہو۔ کہ یہ ہمارا
ہمدرد ہے۔ اگر لوگوں پر یہ بات ثابت ہو
جائے۔ تو پھر مذہبی مخالفت سرد ہو جائے۔
کیونکہ مذہبی جذبات ہی ساری دُنیا میں کام
نہیں کر رہے۔ اگر یہی ہوتے۔ تو ساری دنیا
مسلمان ہوتی۔ پس مبلّغ کے لئے نہایت ضروری
ہے۔ کہ وہ جہاں جائے۔ وہاں کے لوگوں
پر ثابت کردے۔ کہ وہ ان کا ہمدرد اور

خیر خواہ ہے۔ جب لوگ اسے اپنا خیر خواہ سمجھیں گے۔ تو اس کی باتوں کو بھی سُنینگے اور ان پر اثر بھی ہوگا۔"

چوتھی ہدایت

چوتھی بات مُبلّغ کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ وہ دنیاوی علوم سے جاہل نہ ہو۔ اس سے بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ مثلاً ایک شخص پوچھتا ہے۔ کہ جاوا کہاں ہے۔ گو اس کا دین اور مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اگر کوئی نہ جانتا ہو۔ تو اس کے مذہب میں کوئی نقص نہیں آجائیگا۔ مگر جب ایک مبلغ سے یہ پوچھا جائیگا۔ اور وہ اس کے متعلق کچھ نہیں بتا سکیگا۔ تو لوگ اسے حقیر سمجھیں گے۔ کہ اتنا بھی نہیں جانتا

کہ جاوا کہاں ہے۔ جہاں تین کروڑ کے
قریب مسلمان بستے ہیں۔
تو مبلّغ کو جنرل نولج حاصل ہونا چاہیئے
تاکہ کوئی اسے جاہل نہ سمجھے۔ ہاں یہ ضروری
نہیں۔ کہ ہر ایک علم کا عالم ہی ہو۔ لیکن
کچھ نہ کچھ واقفیت ضرور ہونی چاہیئے۔
حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ ایک واقعہ
سنایا کرتے تھے۔ کہ ایک دفعہ آپ ایک
بیمار کو دیکھنے کے لئے گئے۔ وہاں ایک اور
طبیب صاحب بھی بیٹھے تھے۔ آپ نے
اہل خانہ سے پوچھا۔ تھرمامیٹر لگا کر بیمار کو
دیکھا ہے۔ یا نہیں۔ طبیب صاحب نے کہا۔
اگر آپ نے انگریزی دوائیاں استعمال کرنی
ہیں۔ تو میں جاتا ہوں۔ مولوی صاحب نے

فرمایا۔ تھرمامیٹر کوئی دوائی نہیں۔ بلکہ ایک آلہ ہے۔ جس سے بخار کا درجہ معلوم کیا جاتا ہے۔ کہ کس قدر ہے۔ اس نے کہا۔ آلہ ہو۔ یا کچھہ اور۔ ہر ایک انگریزی چیز گرم ہوتی ہے۔ اور بیمار کو پہلے ہی بہت زیادہ گرمی ہے۔ تو اس قسم کے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ جنہیں عام باتوں کا کچھہ علم نہیں ہوتا۔ اور مجلسوں میں سخت حقیر سمجھے جاتے ہیں۔ مُبلّغ کے لئے یہ نہایت ضروری ہے۔ کہ وہ علم مجلس سے واقف ہو۔ اور کسی بات کے متعلق ایسی لاعلمی کا اظہار نہ کرے۔ جو بیوقوفی کی حد تک پہنچی ہوئی ہو۔ حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے۔ ایک بادشاہ تھا۔ جو کسی پیر کا بڑا معتقد تھا۔ اور اپنے وزیر کو کہتا رہتا تھا۔ کہ میرے

پیر سے ملو۔ وزیر چونکہ اس کی حقیقت جانتا تھا
اس لئے ٹلاتا رہتا۔ آخر ایک دن جب بادشاہ
پیر کے پاس گیا۔ تو وزیر کو بھی ساتھ لیتا گیا
پیر صاحب نے بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا۔
بادشاہ سلامت دین کی خدمت بڑی اچھی چیز
ہے۔ سکندر بادشاہ نے دین اسلام کی خدمت
کی۔ اور وہ ابتک مشہور چلا آتا ہے۔ یہ سنکر
وزیر نے کہا۔ دیکھئے حضور پیر صاحب کو ولایت
کے ساتھ تاریخ دانی کا بھی بہت بڑا ملکہ ہے
اس پر بادشاہ کو اس سے نفرت ہو گئی۔ حضرت
صاحب یہ قصہ سنا کر فرمایا کرتے تھے۔ کہ علم
مجلس بھی نہایت ضروری ہے۔ جب
تک انسان اس سے واقف نہ ہو۔ دوسروں کی
کی نظروں میں حقیر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح

آداب مجلس کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے
مثلاً ایک مجلس مشورہ کی ہو رہی ہو۔ اور
کوئی بڑا عالم ہو۔ مگر اس مجلس میں جا کر
سب کے سامنے لیٹ جائے۔ تو کوئی اس
کے علم کی پروا نہیں کریگا۔ اور اس کی نسبت
لوگوں پر بہت بڑا اثر پڑیگا۔ پس یہ نہایت
ضروری علم ہے۔ اور مبلّغ کا اس کو جاننا
بہت ضروری ہے۔ ہر ایک مبلّغ کو چاہیئے
کہ وہ جغرافیہ۔ تاریخ۔ حساب۔ طب۔
آداب گفتگو۔ آداب مجلس وغیرہ علوم کی
اتنی اتنی واقفیت ضرور رکھتا ہو۔ جتنی
مجلس شرفاء میں شامل ہونے کے لئے
ضروری ہے۔ اور یہ کوئی مشکل کام نہیں
تھوڑی سی محنت سے یہ بات حاصل ہو

سکتی ہے۔ اس کے لئے ہر علم کی
ابتدائی کتابیں پڑھ لینی چاہئیں ؞
پھر واقعات حاضرہ سے واقفیت ہونی
چاہیئے۔ مثلاً کوئی پوچھے۔ کہ مسٹر گاندھی
کون ہے۔ اور مُبلّغ صاحب کہیں۔ کہ میں
تو نہیں جانتا۔ تو سب لوگ ہنس پڑیں
گے۔ اور اسے حقیر سمجھیں گے۔ اس لئے
ایسے واقعات سے جو عام لوگوں سے
تعلق رکھتے ہوں۔ اور روزمرہ ہو رہے
ہوں۔ ان سے واقفیت حاصل کرنا بھی
ضروری ہے ؞

پانچویں ہدائت | پانچویں بات مُبلّغ کے لئے یہ ضروری ہے
کہ غلیظ نہ ہو۔ ظاہری غلاظت کے متعلق

بھی خاص خیال رکھا گیا ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسجد میں کوئی تھوکتا ہے۔ تو یہ ایک غلطی ہے۔ اس کا کفارہ یہ ہے۔ کہ تھوک کو دفن کرے ؂

حضرت صاحب کی طبیعت میں کتنی بردباری تھی۔ مگر آپ نے اس وجہ سے باہر لوگوں کے ساتھ کھانا کھانا چھوڑ دیا۔ کہ ایک شخص نے کئی چیزیں ساگ۔ فرنی۔ زردہ۔ شوربا وغیرہ ملا کر کھایا۔ فرماتے تھے۔ اس سے مجھے اتنی نفرت ہوئی۔ کہ قے آنے لگی۔ اس کے بعد آپ نے باہر کھانا کھانا چھوڑ دیا۔ اور اس طرح لوگ اس فیض سے محروم ہو گئے۔ جو آپ کے ساتھ کھانا کھانے کے وقت انہیں

حاصل ہوتا تھا۔

پھر حضرت صاحب فرماتے۔ اور میری طبیعت میں بھی یہ بات ہے۔ کہ اگر اُسترے سے سر کو منڈوا کر کوئی سامنے آئے۔ تو بہت بُرا لگتا ہے۔ اور مجھے تو اسے دیکھ کر سر درد شروع ہو جاتی ہے۔ تو ظاہری صفائی اور ظاہری حالت کے عُمدہ ہونے کی بھی بہت ضرورت ہے۔ تاکہ لوگوں کو نفرت نہ پیدا ہو۔ اور وہ بات کرنا تو الگ رہا۔ دیکھنا بھی نہ چاہیں۔ مگر ظاہری صفائی سے میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ کالر اور نکٹائی وغیرہ لگانی چاہیئے۔ اور بال ایک خاص طرز کے بنائے جائیں۔ ان میں سے بعض باتوں کو تو ہم لغو کہیں گے۔ اور

بعض کو ناجائز۔ مگر جو ضروری صفائی ہے۔ یعنی کوئی غلاظت نہ لگی ہو۔ یا کوئی بُودار چیز نہ لگی ہو۔ اس کا ضرور خیال رکھنا چاہیئے۔ ہاں یہ بھی نہ کرے۔ کہ ہر وقت کپڑوں اور جسم کی صفائی میں لگا رہے۔ کیونکہ اگر ایسا کریگا۔ تو پھر کام خراب ہو جائیگا۔

چھٹی ہدایت چھٹی بات مبلّغ کے لئے یہ ہے۔ جس میں بہت کوتاہی ہوتی ہے۔ کہ جو مبلّغ دورے پر جاتے ہیں۔ وہ خرچ بہت کرتے ہیں۔ میرے نزدیک مبلّغ کے لئے صرف یہی جائز ہے۔ کہ وہ کرایہ لے۔ کھانے کی قیمت لے۔ یا رہائش کے لئے اسے کچھ خرچ کرنا پڑے۔ تو وہ لے گویا میرے نزدیک قوت کا بھوت یا ایسے

اخراجات جو لازمی طور پر کرنے پڑیں۔ ان سے
زیادہ لینا اون کے لئے جائز نہیں ہے۔
مثلاً مٹھائی وغیرہ یا اور کوئی مزہ کے لئے
چیزیں خریدی جائیں۔ تو ان کا خرچ اپنی گرہ
سے دینا چاہیئے۔ ہماری حالت اور ہمارے
کام کی حالت کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔
کہ اس قسم کے اخراجات فنڈ پر ڈالے جائیں
میں نے مولوی صاحب کے زمانہ میں دوستو
کے ساتھ دو دفعہ سفر کیا ہے۔ مگر میرے
نزدیک دوستوں کی جو زائد چیزیں تھیں
ان کا خرچ اپنے پاس سے دیا۔ اور خود
اپنا خرچ تو میں لیا ہی نہ کرتا تھا۔ یہی وجہ
تھی۔ کہ کئی آدمیوں کے بنارس تک کے
خرچ پر صرف ستر روپے خرچ آئے تھے

پس جہاں تک ہو سکے۔ مُبلّغ کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ بہت کم خرچ کرے۔ کیونکہ یہ نمونہ ہوتا ہے۔ دوسروں کے لئے۔ اگر یہی اسراف کریگا۔ تو لوگ معترض ہوں گے۔ اگر ایک تنخواہ دار اپنی تنخواہ میں سے خرچ کرتا ہے۔ تو اس کا مال ہے۔ وہ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر اس طرح کا خرچ ہو۔ جس طرح کا مُبلّغوں کا ہوتا ہے اور ایک پیسہ بھی اسراف میں لگائے۔ تو لوگ کہتے ہیں۔ اللے تللے خرچ کرتے ہیں۔ اپنی جیب سے تھوڑا ہی نکلتا ہے۔ کہ پرواہ کریں۔ اور جب لوگوں کو اس طرح کے اعتراض کا موقعہ دیا جائیگا۔ تو وہ چندہ میں سُستی کرینگے۔

ساتویں ہدائت ساتویں بات یہ ہے۔ کہ مُبلّغ میں خودستائی نہ ہو۔

بہت لوگوں کی تباہی کی یہی وجہ ہوئی ہے۔
خواجہ اپنے لیکچروں کی تعریف خود لکھتا۔ اور
دوسروں کی طرف سے شائع کرانے کی
کوشش کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ مولوی
صدرالدین خواجہ صاحب کے ایک لیکچر کی رپوٹ
حضرت خلیفہ اول کو سُنا رہا تھا۔ کہ مولوی
صاحب نے اس کے ہاتھ سے وہ کاغذ لے لیا
اس کی پشت پر لکھا ہوا تھا۔ کہ جہاں جہاں میں
نے اس قسم کے الفاظ لکھے ہیں۔ کہ میں نے
یہ کہا۔ یا میری نسبت یہ کہا گیا۔ وہاں خواجہ
صاحب لکھکر شائع کرا دیا جائے۔ حضرت
مولوی صاحب نے وہ خط پڑھکر مجھے دیدیا
اور میں نے اس کی پشت پر یہ ہدایت لکھی
ہوئی دیکھی۔ اسکا جو نتیجہ نکلا۔ وہ ظاہر ہے

پس مُبلغ کو کبھی اسبات پر زور نہ دینا چاہیئے۔ کہ فلاں جگہ میں نے یہ بات کہی۔ اور اس کی اس طرح تعریف کی گئی۔ یا اس کا ایسا نتیجہ نکلا۔ کہ مخالف دم بخود ہو گیا۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے۔ کہ وہ سنائیں۔ ہم نے یہ بات کہی۔ اور اسکا ایسا اثر ہؤا۔ کہ لوگ عش عش کرنے لگے۔ اس سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ لوگ تعریف کریں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اپنے کام کا نتیجہ اور کامیابی سُنانا بھی ضروری ہوتا ہے۔ جس طرح حضرت صاحب سُنایا کرتے تھے۔ مگر یہ انتہائی مقام کی باتیں ہیں۔ ابتدائی حالت کی نہیں۔ پس مُبلغوں کو چاہیئے۔ کہ اپنے لیکچروں اور مباحثوں کی خود تعریفیں نہ سُنایا کریں۔ اور حضرت

اتنی ہی بات بتائیں۔ جتنی ان سے پوچھی جائے
اور وہی بات بتائیں جو اُنہوں نے کہی۔ آگے
اس کے اثرات نہ بیان کیا کریں۔ یہ بتانا ان کا
کام نہیں۔ بلکہ اس مجلس کا کام ہے جس میں
وہ اثرات ہوئے۔ وہ خود بتاتے پھریں۔ کسی
مُبلّغ کا یہ کہنا کہ میں نے فلاں مخالف کو یُوں
پکڑا۔ کہ وہ ہکّا بکّا رہ گیا۔ اور اس کا رنگ
فق ہوگیا۔ جائز نہیں۔ یہ تم نہ کہو۔ بلکہ وہ لوگ
کہیں گے۔ جنہوں نے ایسا ہوتے دیکھا۔
تمہارے مُنہ سے ایک بھی ایسا لفظ نہ نکلے۔
جس سے تمہاری خوبی ظاہر ہوتی ہو۔ تم صرف
واقعات بیان کردو۔ اور آگے اثرات کے متعلق
کچھ نہ کہو۔ یہ بات نوجوان اور مبتدی مُبلّغوں
کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اور جو استاد ہو

جائیں۔ اونہیں دوسروں کو فایدہ پہنچانے کے لیئے بیان کرنا بعض دفعہ ضروری ہوتا ہے ؎

آٹھویں ہدایت

آٹھویں بات یہ ہے۔ کہ عبادات کے پابند ہو۔ اس کے بغیر نہ تم دُنیا کو فتح کر سکتے ہو۔ اور نہ اپنے نفس کو۔ فرض عبادات تو ہر ایک مُبلّغ اَدا کرتا ہی ہے۔ لیکن ان کے لئے تہجّد پڑھنا بھی ضروری ہے۔ صحابہ کے وقت تہجّد نہ پڑھنا عیب سمجھا جاتا تھا۔ مگر اب تہجّد پڑھنے وَالے کو ولی کہا جاتا ہے۔ حالانکہ رُوحانیت میں ترقی کرنے کے لئے تہجّد اور نوافل پڑھنے ضروری ہیں۔ دوسرے لوگوں کے لئے بھی ضروری ہیں۔ مگر مُبلّغ کے لئے

تو بہت ہی ضروری ہیں۔ پس اگر زیادہ نہیں۔ تو کم ہی پڑھ لے۔ آٹھ کی بجائے دو ہی پڑھ لے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے۔ تو یہاں تک کرلے۔ کہ نماز سے پہلے پانچ منٹ لیٹے لیٹے استغفار پڑھ لے۔ اور آہستہ آہستہ قدم آگے بڑھاتا جائے۔ اس کے علاوہ ذکر الٰہی اور دوسری عبادتوں کا بھی شغل رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ ان کے بغیر رُوح کو جلاء نہیں ہوتا۔ فرائض تو ایسے ہیں۔ کہ اگر کوئی ان کو ادا نہ کرے۔ تو مُبلّغ رہتا ہی نہیں۔ اور فرائض تو ادا کئے ہی جاتے ہیں۔ کیونکہ اگر مسجد میں نہ آئے۔ تو وہ سمجھتا ہے۔ کہ لوگ کہیں گے۔ اچھا مُبلّغ ہے۔ لیکن قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے اور رُوحانیت

ہیں نرقی کرنے کے لئے نوافل پڑھنے ضروری
ہیں۔ اور دیگر اذکار کی بھی بہت ضرورت ہے

نویں ہدایت

نویں چیز مُبلّغ کے لئے
دعا ہے۔ دعا، خدا کے
فضل کی جاذب ہے۔ جو شخص عبادت تو کرتا
ہے۔ مگر دعا کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ اس میں
بھی کبر ہے۔ اور وہ خداتعؔ کی مدد کی اور اس
کے انعام کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ حالانکہ موسیٰؑ
جیسا نبی بھی خداتعؔ سے کہتا ہے۔ ربّ انیّ
بما انزلت الیّ من خیر فقیر کہ جو کچھ تیری
طرف سے مجھ پر بھلائی نازل ہو۔ میں اس کا
محتاج ہوں۔ پس جب حضرت موسیٰؑ نبی
ہو کر خداتعؔ کے محتاج ہیں۔ تو معمولی مومن
کیوں۔ محتاج نہ ہوگا۔ ہر ایک مبلغ کو دعا

سے ضرور کام لینا چاہیئے۔ اور اس کو کسی
حالت میں بھی نہ چھوڑنا چاہیئے ۔

دسویں ہدایت

دسویں چیز مبلّغ کے لئے یہ
ضروری ہے۔ کہ اس میں
انتظامی قابلیت ہو۔ اگر اس میں یہ قابلیت
نہ ہوگی۔ تو اس کا دائرہ عمل بہت محدود ہوگا۔
اور اس کی کوششوں کا دائرہ اس کی زندگی
پر ہی ختم ہو جائیگا۔ اس لیئے اسے اسبات
کی بھی فکر ہونی چاہیئے۔ کہ جس کام کو اس نے
شروع کیا ہے۔ وہ اس کے ساتھ ہی ختم
نہ ہو جائے۔ بلکہ اس کے بعد بھی جاری رہے
اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کہ وہ
اپنے قائم مقام بنائے۔ دیکھو رسول کریم
صلعم مبلّغ تھے۔ مگر آپ مبلّغ گر بھی تھے۔

ہمارے مبلغوں کی اس طرف قطعاً توجہ نہیں ہے۔ وہ یہ کوشش نہیں کرتے۔ کہ جہاں جائیں وہ اپنے قایم مقام بنائیں۔ اور کام کرنے والے پیدا کریں۔ تاکہ انتظام اور ترتیب کے ساتھ کام جاری رہے۔ یہ اس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ مبلغ جن لوگوں کو دوسروں کی نسبت زیادہ لائق دیکھیں۔ اور جو شوق رکھیں۔ اون کو مختلف مسائل کے دلائل سکھائیں۔ اور ہر بار ان میں اضافہ کرتے رہیں۔ اور دیکھتے رہیں۔ کہ اونہوں نے پہلے دلائل کو یاد کر لیا ہے۔ یا نہیں۔ اور پھر اونہیں یہ بھی کہیں۔ کہ ہمارے بعد تم تبلیغ کرنا۔ اور اس کے متعلق ہمیں اطلاع دیتے رہنا۔ میں نے تالیف و اشاعت کے دفتر کو اس کے متعلق تاکید کی تھی۔ کہ ہر جگہ تبلیغ

کرنیوالے مقرر کیئے جائیں۔ اور اس نے نیم
مُردہ سی تحریک بھی کی۔ جو اسی حالت میں
رہی۔ کئی جگہ تبلیغی سیکرٹری مقرر ہی نہیں
ہوئے۔ اور کسی جگہ مقرر ہوئے۔ تو اونہوں
نے کچھ کیا نہیں۔ دراصل ان کو پہلے خود زندہ
ہونا چاہیئے۔ اور زندگی کے علامات ظاہر
کرنے چاہئیں۔ تاکہ دوسروں کو زندہ کر سکیں
لیکن جب کہ وہ خود مُردہ حالت میں پڑے
ہیں۔ تو ان سے کسی کام کی کیا اُمید ہو سکتی
ہے ؁

غرض جہاں مبلغ جائیں۔ وہاں دوسروں
کو تبلیغ کرنا سکھائیں۔ اور بتائیں۔ کہ اس
طرح بحث کرنی چاہیئے۔ بحث کرنا اور
بات ہوتی ہے۔ اور لیکچر دینا اور۔ اسلئے

بحث اور دوسرے مذاہب کے متعلق گفتگو کرنے کے گر سکھانے چاہئیں. تاکہ ایسے لوگ پیدا ہو جائیں۔ جو ان کے بعد کام کرتے رہیں ؎

(بعد از نماز مغرب)

میں نے پہلے دس باتیں بیان کی تھیں. اب گیارھویں بات بتاتا ہوں۔

گیارھویں ہدایت

گیارھویں بات جسکا یاد رکھنا مبلغ کے لئے ضروری ہے۔ وہ نازک امر ہے بہت لوگ اس کی طرف توجہ نہیں رکھتے۔ اسلئے بعض دفعہ زک پہنچ جاتی ہے۔ میں نے اس سے خاص طور پر فائدہ اٹھایا ہے۔

اور یہ ان باتوں میں سے ہے۔ جو بہت سہل الحصول ہیں۔ مگر تعجب ہے۔ کہ بہت لوگ اس سے فایدہ نہیں اُٹھاتے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ دشمن کو کبھی حقیر نہ سمجھو۔ اور اس کے ساتھ ہی کبھی یہ خیال اپنے دل میں نہ آنے دو۔ کہ تم اس کے مقابلہ میں کمزور ہو ٭

مجھے مباحثات کم پیش آئے ہیں اس لئے میں اس معاملہ میں کم تجربہ رکھتا ہوں مگر میں نے دیکھا ہے۔ کہ بعض دفعہ نہایت کم علم اور معمولی سے آدمی نے ایسا اعتراض کیا ہے۔ کہ جو بہت وزنی ہوتا ہے۔ اور کئی دفعہ میں نے بچوں کے مُنہ سے بڑے بڑے اہم اعتراض سُنے ہیں۔

اس لئے یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ ہمارا
مدِّمقابل کم علم اور جاہل انسان ہے۔ اور
اس کی ہمیں کیا پرواہ ہے۔ بلکہ یہی مدِّنظر
رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ بہت بڑا دُشمن ہے۔ اور
اگر بچہ سامنے ہو۔ اور اس کا رُعب نہ پڑ سکے
تو یہ خیال کر لینا چاہیئے۔ کہ ممکن ہے۔ میرا
امتحان ہونے لگا ہے۔ پس ایک طرف
تو خواہ بچّہ ہی مقابلہ پر ہو۔ اس کو حقیر نہ سمجھو
بلکہ بہت قوی جانو۔ اور دوسری طرف اس
کے ساتھ ہی تمہارے دل میں یہ خیال
پیدا ہو۔ کہ ہم حق پر ہیں۔ ہمیں کسی کا کیا
ڈر ہو سکتا ہے۔ گویا نہ تو مدِّمقابل کو حقیر
سمجھنا چاہیئے۔ اور نہ مایوس ہونا چاہیئے
کیونکہ جب خدا تعالیٰ پر اعتماد ہو۔ تو اس کی

طرف سے ضرور مدد آتی ہے۔ اور خدا
ہی کی مدد ہوتی ہے۔جس کے ذریعہ انسان
دشمن کے مقابلہ میں کامیاب ہو سکتا ہے
ورنہ کون ہے۔ جو سب دُنیا کے علم پڑھ
سکتا ہے۔ پھر کون ہے۔ جو سب اعتراضات
نکال سکتا ہے۔ اور پھر کون ہے۔ جو ان کے
جوابات سوچ سکتا ہے۔ ہر انسان کا دماغ
الگ الگ باتیں نکالتا ہے۔ اس لئے خدا
پہ ہی اعتماد رکھنا چاہیئے۔ کہ وہ ہی ہماری
مدد کریگا۔ اور ہم کامیاب ہوں گے۔ اور ادھر
دشمن کو حقیر نہ سمجھا جائے۔ جب یہ دو باتیں
ایک وقت میں انسان اپنے اندر پیدا کرلے
تو وہ کبھی زک نہیں اُٹھا سکتا۔ مگر دیکھا گیا
ہے۔ کہ اکثر لوگ جب ایک دو دفعہ کامیاب

ہو جاتے ہیں۔ اور اچھا بولنے لگتے ہیں۔ تو وہ سمجھتے ہیں۔ کون ہے۔ جو ہمارا مقابلہ کرسکتا ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ دشمن کو کبھی حقیر نہ سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ بہت بڑا سمجھنا چاہیئے۔ ہاں ساتھ ہی یہ بھی اعتقاد ہونا چاہیئے۔ کہ اگر دشمن قوی ہے۔ تو میرا مددگار بھی بہت قوی ہے۔ اس لئے دشمن میرے مقابلہ میں کچھ نہیں کرسکیگا۔ جب یہ دو باتیں انسان میں پیدا ہو جائیں۔ تو اوّل تو خدا اس کے دشمن کی زبان پر کوئی اعتراض ہی جاری نہیں کریگا۔ اور اگر کریگا۔ تو اسکا جواب بھی سمجھا دیگا۔ ایک دفعہ یہاں ایک انگریز پادری آیا۔ والٹر اس کا نام تھا۔ احمدیت کے متعلق ایک کتاب بھی اس نے لکھی ہے۔ اب مرگیا ہے اسنے

مجھ سے پوچھا۔ قرآن انجیل اور توریت کی
تصدیق کرتا ہے۔ مگر ان میں آپسمیں اختلاف
پایا جاتا ہے۔ اگرچہ میں قرآن کی تصدیق
کرنے کے اور معنے کیا کرتا ہوں۔ اور میرے
نزدیک جب ایسے موقع پر لام صلہ آئے۔
تو اس کا اور ہی مطلب ہوتا ہے۔ مگر اس
وقت میرے دل میں یہی ڈالا گیا۔ کہ کہو۔ ہاں
تصدیق کرتا ہے۔ اور بتایا گیا۔ کہ وہ کوئی
اختلاف پیش ہی نہیں کرسکیگا۔ اوس نے
کہا۔ ان میں تو اختلاف ہے۔ پھر تصدیق
کے کیا معنی۔ میں نے کہا۔ کوئی اختلاف
پیش تو کرو۔ اس پر وہ خوب قہقہہ مارکر ہنسا
اور کہا۔ ایک اختلاف۔ اختلاف تو بیسیوں
ہیں۔ میں نے کہا۔ ایک ہی پیش کرو۔ یہ

باتیں میرے مُنہ سے خدا ہی کہلوا رہا تھا۔
وَرنہ اختلاف تو فی الواقعہ موجود ہیں۔ گو اس
قسم کے اختلاف نہیں ہیں۔ جس قسم کے اس
کی مراد تھی۔ وہ پادری تھا۔ اور انجیل کا ماہر۔
اگر کوئی اختلاف پیش کر دیتا۔ تو بات لمبی
جا پڑتی۔ مگر چونکہ میرے دل میں ڈالا گیا
تھا۔ کہ وہ کوئی اختلاف پیش نہیں کر سکے
گا۔ اس لئے میں نے زور دیکر کہا۔ کہ کوئی
اختلاف تو پیش کرو۔ اوس نے تھوڑی دیر
سوچ کر کہا۔ قرآن کریم میں لکھا ہے۔ کہ
مسیح پرندہ پیدا کیا کرتا تھا۔ انجیل میں اس
طرح نہیں لکھا۔ میں نے کہا۔ پادریصاحب
آپ تو سمجھدار آدمی ہیں۔ اور تاریخ نویسی کا
ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ بتائیں۔ کیا اگر ایک

مؤرخ کچھہ واقعات کو اپنی کتاب میں درج کردے۔ اور دوسرا ان کو درج نہ کرے۔ تو یہ کہا جائیگا۔ کہ ان کتابوں کا آپسمیں اختلاف ہے۔ یہ سُنکر اوسکے ساتھہ جو دو انگریز تھے۔ ان کی بے اختیار ہنسی نکل گئی۔ اور اونہوں نے کہا۔ فی الواقعہ یہ تو کوئی اختلاف نہیں اس پر وہ بالکل خاموش ہوگیا۔ پس جب انسان خدا تعٰ پر بھروسہ کرلیتا ہے۔ تو خدا خود اس کی مدد کرتا ہے۔ اور اسے دشمن پر خواہ اسکا دشمن کتنا ہی قوی ہو۔ کامیاب کردیتا ہے۔

بارہویں ہدایت بارہویں بات جس کا میں نے بارہا تجربہ کیا ہے۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کہ میں نے اسے استعمال

کیا ہو۔ اور اس کا فائدہ نہ دیکھا ہو۔ یہ ہے۔ کہ جب انسان تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہو۔ تو ذہن میں جتنے علوم اور جتنی باتیں ہوں ان کو نکال دے۔ اور یہ دُعا کر کے کھڑا ہو۔ کہ اَے خدا جو کچھ تیری طرف سے مجھے سمجھایا جائیگا میں وہی بیان کرونگا۔ جب انسان اس طرح کرے۔ تو اس کے دل سے ایسا علوم کا چشمہ پھوٹتا ہے۔ جو بہتا ہی چلا جاتا ہے اور کبھی بند نہیں ہوتا۔ اسکی زبان پر ایسی باتیں جاری ہوتی ہیں۔ کہ وہ خود نہیں جانتا۔ اس گُر کا میں نے بڑا تجربہ کیا ہے بعض دفعہ ایسا بھی ہوا ہے۔ کہ میں پانچ پانچ منٹ تقریر کرتا چلا گیا ہوں۔ مگر مجھے پتہ نہیں لگا۔ کہ کیا کہہ رہا ہوں۔ خود بخود زبان

پر الفاظ جاری ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور
اس کے بعد جا کر معلوم ہوتا ہے۔ کہ کس امر
پر تقریر کر رہا ہوں۔ پچھلے ہی دنوں ڈاکٹر
سیّد محمد حسین شاہ صاحب کے خطبۂ نکاح
کے وقت ایسا ہی ہوا۔ جب میں کھڑا
ہوا۔ تو پتہ نہیں تھا۔ کہ کیا کہنے لگا ہوں
مگر کچھ منٹ بول چکا۔ تو پھر بات سمجھ آئی۔
کہ اس مضمون کو بیان کر رہا ہوں ٭

یہ بات بہت اعلےٰ درجہ کی ہے۔ اور
ہر ایک شخص کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ لیکن
چونکہ یہاں ہر طبقہ کے آدمی ہیں۔ اور دوسرے
بھی جب اعلیٰ درجہ پر پہنچیں گے۔ تو اس
کو سمجھ لیں گے۔ اس لئے میں اسے بیان
کرتا ہوں۔ جب انسان تقریر کرنے کے لئے

کھڑا ہو۔ تو بالکل خالی الذہن ہو کر کھڑا ہو۔
اور اسی بات پر اسے بھروسہ ہو۔ کہ جو کچھ
خدا بتائیگا۔ وہی بیان کرونگا۔ یہ توکّل کا
ایک ایسا مقام ہے۔ کہ انسان جو کچھ جانتا
ہے۔ اسے بھی بھول جاتا ہے۔ ان لوگوں
کو بھول جاتا ہے۔ جو اس کے سامنے ہوتے
ہیں۔ حتیٰ کہ اپنا نام تک بھول جاتا ہے
اور جو کچھ اس کی زبان پر جاری ہوتا ہے
وہ نہیں جانتا۔ کہ میں کیوں کہہ رہا ہوں۔
اور اس کا کیا مطلب ہے۔ مثلاً وہ یہ
کہتا ہے۔ کہ خدا کی عبادت کرو۔ ان الفاظ
کو تو سمجھتا ہے۔ اور ان کا مطلب بھی جانتا
ہے۔ مگر یہ اسے پتہ نہیں ہوتا۔ کہ میں نے
یہ کیوں کہا ہے۔ اور کس مضمون کے

بیان کرنے کے لئے میرے مُنہ سے یہ الفاظ
نکلے ہیں۔ جب وہ ایسی حالت میں ہوتا ہے۔ تو
پھر یکدم اس پر کشف ہوتا ہے۔ کہ یہ بات ہے
جس کو تو بیان کرنے لگا ہے۔ مگر یہ بات پیدا
ہوتی ہے۔ اپنے آپ کو گرا دینے سے۔ جب
کوئی انسان اپنے آپ کو بالکل گرا دیتا ہے۔ تو
پھر خدا تعالیٰ اسے اُٹھاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی
یہ سمجھے۔ کہ میرے پاس علم ہے۔ میں خوب
لیکچر دے سکتا ہوں۔ مجھے سب باتیں
معلوم ہیں۔ ان کے ذریعہ میں اپنا لیکچر بیان
کرونگا۔ تو اسے خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی
مدد نہیں ملتی۔ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اگر لیکچر کے
لئے کھڑے ہوتے وقت بالکل خالی الذہن
ہو کر کھڑا ہونا چاہیئے۔ تو پھر لیکچر کے لئے نوٹ

کیوں لکھے جاتے ہیں۔ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جس طرح لیکچر کے وقت میں نے بتایا ہے۔ کہ بالکل خالی الذہن ہونا چاہیئے اسی طرح جن لیکچروں کے لئے جوابوں کی کثرت یا مضمون کی طوالت یا اس کی مختلف شاخوں کے سبب سے نوٹ لکھنے ضروری ہوں۔ ان کے نوٹ لکھتے وقت یہی کیفیت دماغ میں پیدا کرنی چاہیئے۔ اور پھر نوٹ لکھنے چاہئیں میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ اور اس وقت جو کچھ خدا تعالیٰ لکھاتا جاتا ہے۔ وہ لکھتا جاتا ہوں۔ پھر ان میں اور باتیں بڑھاتا ہوں۔ تو اور بات ہے۔ اسی سالانہ جلسہ پر لیکچر کے وقت ایک اعتراض ہوا تھا۔ کہ فرشتوں کا چشمہ تو خدا ہے جیسا کہ بتایا گیا ہے۔ اور وہ اس چشمہ سے لیکر

آگے پہنچاتے ہیں۔ مگر شیطان کا چشمہ کیا ہے
اس اعتراض پر دس پندرہ منٹ کی تقریر
میرے ذہن میں آئی تھی۔ اور میں وہ بیان
ہی کرنے لگا تھا۔ کہ یک لخت خدا تعالےٰ نے
یہ فقرہ میرے دل میں ڈال دیا۔ کہ شیطان
تو چھینتا ہے۔ نہ کہ لوگوں کو کچھ دیتا ہے۔
اور چھیننے والے کو کسی ذخیرہ کی ضرورت نہیں
ہوتی۔ یہ ایسا مختصر اور واضح جواب تھا۔ کہ جسے
ہر ایک شخص آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا تھا۔
لیکن جو تقریر کرنے کا میں نے ارادہ کیا تھا۔
وہ ایک تو لمبی تھی۔ اور دوسرے ممکن تھا۔
کہ علمی لحاظ سے وہ ایسی مشکل ہو جاتی۔ کہ
ہمارے دیہاتی بھائی اسے نہ سمجھ سکتے۔ تو
خدا تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ دل میں ڈالا

جاتا ہے۔ وہ بہت جامع اور نہایت زود فہم ہوتا ہے۔ اور اس کا اثر جس قدر سننے والوں پر ہوتا ہے۔ اتنا کسی لمبی سے لمبی تقریر کا بھی نہیں ہوتا۔ پس تم یہ حالت پیدا کرو۔ کہ جب تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہو۔ تو بالکل خالی الذہن ہو۔ اور خدا تعالیٰ پر تمہارا سارا مدار ہو۔ اگرچہ یہ حالت پیدا کر لینا ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ اور بہت مشکل بات ہے۔ لیکن ہوتے ہوتے جب اس کی قابلیت پیدا ہو جائے۔ تو بہت فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے

تیرھویں ہدایت

تیرہویں بات مبلغ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی پارٹی میں اپنے آپ کو داخل نہ سمجھے۔ بلکہ سب کے ساتھ اس کا ایک

جیسا ہی تعلق ہو۔ یہ بات صحابہ میں بھی ہوتی تھی۔ کہ کسی کو کسی سے محبت اور کسی مناسبت کی وجہ سے زیادہ تعلق ہوتا تھا۔ اور وہ دوسروں کی نسبت آپسمیں زیادہ تعلق رکھتے تھے۔ اور ہم میں بھی اس طرح ہے اور ہونی چاہیئے۔ لیکن جو بات بری ہے۔ اور جس سے مبلغ کو بالا رہنا چاہیئے۔ یہ ہے۔ کہ وہ کسی فریق میں اپنے آپ کو شامل کرلے۔ ہر ایک مبلغ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظل ہے۔ اور ظل وہی ہو سکتا ہے۔ جس میں وہ باتیں پائی جائیں۔ جو اصل میں تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ نکلے۔ تو دیکھا۔ کہ دو پارٹیاں آپسمیں تیر اندازی کا مقابلہ کر رہی ہیں۔ آپ ان کا حوصلہ بڑھانے کیلئے

ایک کے ساتھ ہو کر تیر مارنے لگے۔ اس
پر دوسری پارٹی نے اپنی کمانیں رکھ دیں۔
اور کہا۔ ہم آپ کا مقابلہ نہیں کریں گے۔ اس
پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
اچھا لو۔ میں دخل نہیں دیتا۔ چونکہ آپ سب
کے ساتھ ایک ہی تعلق رکھتے تھے۔ اس
لئے آپ کو مد مقابل بنانے کے لئے صحابہ
تیار نہ ہوئے۔ اور اس بات کو رسول کریم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسلیم کر کے دخل
دینا چھوڑ دیا۔ یہ چونکہ جنگی لحاظ سے ایک مقابلہ
تھا۔ اس لئے آپ الگ ہو گئے۔ ورنہ ایسی
باتیں جو تفریح کے طور پر ہوتی ہیں۔ ان میں
آپ شامل ہوتے تھے۔ چنانچہ ایسا ہوا ہے
کہ گھوڑ دوڑ میں آپ نے بھی اپنا گھوڑا دوڑایا۔

اس قسم کی باتوں میں شامل ہونے میں
کوئی حرج نہیں تھا۔ غرض مبلغ کو بھی ایسی
باتوں میں کسی فریق کے ساتھ نہیں ہونا چاہئے
جو مقابلہ کے طور پر ہوں۔ اور بالکل الگ
تھلگ رہ کر اس بات کا ثبوت دینا چاہیئے۔ کہ
کہ اس کے نزدیک دونوں فریق ایک جیسے
ہی ہیں÷

چودہویں ہدائت چودہویں بات یہ ضروری
ہے۔ کہ کسی کو یہ خیال
نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ میرا علم کامل ہو گیا ہے
بہت لوگ سمجھ لیتے ہیں۔ کہ ہمارا علم مکمل
ہو گیا ہے۔ اور ہمیں اور کچھ حاصل کرنے
کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر اس سے زیادہ
جہالت کی اور کوئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ

علم کبھی مکمل نہیں ہو سکتا۔ میں تو علم کی
مثال ایک رستہ کی سمجھا کرتا ہوں۔ جس کے
آگے دو رستے ہو جائیں۔ پھر اس کے
آگے دو ہو جائیں۔ اور پھر اس کے آگے
دو۔ اسی طرح آگے شاخیں ہی شاخیں
نکلتی جائیں۔ اور اس طرح کئی ہزار رستے
بن جائیں۔ یہی حال علم کا ہوتا ہے۔ علم کی
بے شمار شاخیں ہیں۔ اور اس قدر شاخیں
ہیں۔ جن کا انتہا ہی نہیں۔ پس علم کا خاتمہ
شاخوں کی طرف نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا
خاتمہ جڑ کی طرف ہے۔ کہ وہ ایک ہے۔
اور وہ ابتدا ہے۔ جو جہالت کے بالکل
قریب ہے۔ بلکہ جہالت سے بالکل ملی
ہوئی ہے۔ ورنہ آگے جوں جوں بڑھتے

جائیں۔ اس کی شاخیں نکلتی آتی ہیں۔ اور
وہ کبھی ختم نہیں ہوسکتیں۔ اگر کسی نے ایک
شاخ کو ختم کرلیا۔ تو اس کے لئے دوسری
موجود ہے! غرض علم کی کوئی حد نہیں ہوتی۔
اور وہ کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔ اور رُوحانی
علوم کی تو قطعاً کوئی حد ہے ہی نہیں۔ ڈاکٹری
کے متعلق ہی کس قدر علوم دن بدن نکل
رہے ہیں۔ اور روز بروز ان میں اضافہ
ہو رہا ہے۔ پس کوئی علم ختم نہیں ہوسکتا۔ اور
جہاں کسی کو یہ خیال پیدا ہو۔ کہ علم ختم ہوگیا
ہے۔ وہاں سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ وہ علم کے
درخت سے اُتر کر جہالت کی طرف آگیا
ہے۔ پس کبھی یہ مت خیال کرو۔ کہ ہمارا علم
کامل ہوگیا۔ کیونکہ ایک تو یہ جھوٹ ہے

کوئی علم ختم نہیں ہوسکتا۔ دوسرے اس سے انسان متکبّر ہو جاتا ہے۔ اور اس کے دِل پر زنگ لگنا شروع ہو جاتا ہے لیکن اگر انسان ہر وقت اپنے آپ کو طالب علم سمجھے۔ اور اپنے علم کو بڑھاتا رہے۔ تو اس کے دل پر زنگ نہیں لگتا۔ کیونکہ جس طرح چلتی تلوار کو زنگ نہیں لگتا لیکن اگر اسے یوں ہی رکھ دیا جائے۔ اور اس سے کام نہ لیا جائے۔ تو زنگ لگ جاتا ہے پس ہر وقت اپنا علم بڑھاتے رہنا چاہیئے اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے۔ کہ علم کبھی ختم نہیں ہوتا ؛

پندرھویں ہدائت

پندرھویں بات مبلّغ کے لئے یہ ضروری ہے

جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ کہ بلّغ میں کہا گیا ہے۔ کہ پہنچا دے۔ اور جس کو کچھ پہنچایا جاتا ہے۔ وہ بھی کوئی وجود ہونا چاہیئے جو معیّن اور مقرر ہو۔ ورنہ اگر کسی معیّن وجود کو نہ پہنچانا ہوتا۔ تو یہ کہا جاتا۔ کہ پھینک دو یا بانٹ دو۔ مگر اللہ تعالے نے پہنچانا فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ معیّن وجود ہیں۔ جن کو ان کا حصّہ پہنچانا ہے۔ پھر قرآن کریم فرماتا ہے۔ کنتم خیر امتہ اخرجت للنّاس۔ اس میں عموم کے لحاظ سے سب انسان آ گئے۔ ان کو پیغام آلہی پہنچانا ہمارا کام ہے۔ پس کسی قوم اور کسی فرقہ کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھا جائے۔ مبلّغ کا کام پہنچانا ہے۔ اور جس کو پہنچانے کے لئے کہا

جائے۔ اسے پہنچانا اس کا فرض ہے۔ اسے
یہ حق نہیں۔ کہ جسے ذلیل سمجھے۔ اسے نہ پہنچائے۔
اور جسے معزز سمجھے۔ اسے پہنچائے۔ مگر
ہمارے مبلّغوں میں یہ نقص ہے۔ کہ وہ ادنیٰ
اقوام چوہڑوں چماروں میں تبلیغ کرنے کی کوشش
نہیں کرتے۔ وہ بھی خدا کی مخلوق ہے۔ اسے
بھی ہدائیت کی ضرورت ہے۔ ان کو بھی تبلیغ
کرنی چاہیئے۔ اور سیدھے رستہ کی طرف
لانا چاہیئے۔ عیسائیوں نے ان سے بڑا فایدہ
اُٹھایا ہے۔ اور اس سے زیادہ ہندوستان
میں ایسی اقوام کے لوگوں کو عیسائی بنالیا ہے
جتنی ہماری جماعت کی تعداد ہے۔ اور اب
ان لوگوں کو کونسل کی ممبری کی ایک سیٹ
بھی مل گئی ہے۔ ہمارے مبلّغ اس طرف

خیال نہیں کرتے۔ حالانکہ ان لوگوں کو سمجھانا
بہت آسان ہے۔ ان کو ان کی حالت کے
مطابق بتایا جائے۔ کہ دیکھو تمہاری کیسی
گری ہوئی حالت ہے۔ اس کو درست کرو۔
اور اپنے آپ کو دوسرے انسانوں میں ملنے
جُلنے کے قابل بناؤ۔ اس قسم کی باتوں کا ان
پر بہت اثر ہوگا۔ اور جب انہیں اپنی ذلیل
حالت کا احساس ہو جائیگا۔ اور اس سے
نکلنے کا طریق انہیں بتایا جائیگا۔ تو وہ ضرور
نکلنے کی کوشش کریں گے۔ ان کو کسی مذہب
کے قبول کرنے میں سوائے قومیّت کی
روک کے اور کوئی روک نہیں ہے۔ وہ
سمجھتے ہیں۔ کہ اگر ہم نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا۔
تو یہ اچھی بات نہ ہوگی۔ ہمارے ہاں جو

چوہڑیاں آتی ہیں۔ تبلیغ کرنے پر کہتی ہیں۔
ہم مسلمان ہی ہیں۔ مگر ہم اپنی قوم کو کیونکر چھوڑ
دیں۔ یہ روک اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ
دس پندرہ بیس گھر اکٹھے کے اکٹھے مسلمان
ہو جائیں۔ اور ان کی قوم کی قوم بنی رہے
جیسا کہ یہ لوگ جب عیسائی ہوتے ہیں۔ تو اکٹھے
ہی ہو جاتے ہیں۔ پس ان میں تبلیغ کرنے
کی ضرورت ہے۔ اور سخت ضرورت ہے۔ اگر
ہم ساری دُنیا کے لوگوں کو مسلمان بنا لیں۔
مگر ان کو چھوڑ دیں۔ تو قیامت کے دن خدا
تعالیٰ کو یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ یہ چوہڑے چمار
تھے۔ اس لئے ہم نے ان کو مسلمان نہیں
بنایا۔ خدا تعالیٰ نے ان کو بھی آنکھ۔ کان
ناک۔ دماغ ہاتھ پاؤں اسی طرح دیئے

ہیں۔ جس طرح اَوروں کو دیئے ہیں۔ فرق صرف اِتنا ہے۔ کہ اونہوں نے ان چیزوں کا غلط استعمال کر کے انہیں خراب کر لیا ہے اگر ان کی اصلاح کر لی جائے۔ تو وہ بھی وَیسے ہی اِنسان بن سکتے ہیں۔ جیسا کہ دوسرے۔ چنانچہ مسیحیوں میں بعض چوہڑوں نے تعلیم پا کر بہت ترقی کر لی ہے۔ اِن کے باپ یا دادا عیسائی ہو گئے۔ اور اب وہ علم پڑھ کے معزز عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔ اَور معزز سمجھے جاتے ہیں۔ پس اگر ان لوگوں کی اصلاح کر لی جائے۔ تو یہ بھی اَوروں کی طرح ہی مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ ہمارے مبلّغوں کو اس طرف بھی خیال کرنا چاہیئے۔ اور ان لوگوں میں بھی تبلیغ کرنی چاہیئے۔

سولھویں ہدایت

سولھویں بات مبلغ کیلئے یہ ضروری ہے۔ کہ وہ لوگوں سے ملنا جلنا جانتا ہو۔ بہت لوگ اس بات کو معمولی سمجھتے ہیں۔ اور اس سے کام نہیں لیتے۔ لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ اور اس طرح بہت اعلیٰ نتائج نکلتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتدا میں لوگوں کے خیموں میں جاتے اور تبلیغ کرتے تھے۔ وہ لوگ جو اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھتے ہیں۔ وہ عام لیکچروں میں نہیں آتے۔ ان کے گھر جاکر ان سے ملنا چاہیئے۔ اس طرح ملنے سے ایک تو وہ لوگ باتیں سن لیتے ہیں۔ دوسرے ایک اور بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اور وہ یہ

کہ اگر کبھی کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو گی۔
تو اگر یہ لوگ ظاہرہ مدد نہیں دیں گے۔ تو
خفیہ ضرور دینگے۔ کیونکہ ملنے اور واقفیت
پیدا کر لینے سے ایک ذاتی تعلق پیدا ہو جاتا
ہے۔ اور وہ لوگ جن میں شرافت ہوتی
ہے۔ اس کا ضرور لحاظ رکھتے ہیں۔ ہمارے
مسٹر محمد امین سابق ساگر چند صاحب میں
ملنے کی عادت ہے۔ وہ لارڈوں تک سے
ملتے رہے ہیں۔ اور اب تک خط و کتابت
کرتے رہتے ہیں۔ تو ملنے جلنے اور واقفیت
پیدا کر لینے سے انسان بہت سی باتیں سُنا
سکتا ہے۔ جو کسی دوسرے ذریعہ سے
نہیں سُنا سکتا۔ اس لئے ہمارے مبلغوں
کو اس بات کی بھی عادت ڈالنی چاہیئے۔

اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

سترہویں ہدایت

سترہویں بات یہ ہے کہ مبلّغ میں ایثار کا مادہ ہو۔ جب تک یہ نہ ہو۔ لوگوں پر اثر نہیں پڑتا جب ایثار کی عادت ہو۔ تو لوگ خود بخود کھنیچے چلے آتے ہیں۔ کئی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایثار کسطرح کریں کونسا موقع ہمارے لئے ایثار کا ہوتا ہے مگر اسکے بہت موقعے اور محل ملتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہی دیکھ لو۔ کہ ریل پر سوار ہونے والوں کو قریباً ہر اسٹیشن پر وہ لوگ سوار ہونے سے روکتے ہیں۔ جو پہلے بیٹھے ہوتے ہیں۔ سوار ہونیوالا ان کی منتیں کرتا ہے خوشامدیں کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ میں کھڑا ہی رہونگا۔ لیکن اوسے روکا جاتا ہے۔ اور

جب وہ بیٹھ جاتا ہے۔ تو دیکھا گیا ہے۔ کہ پھر
جو سوار ہونیکے لئے آتا ہے۔ اوسے سب سے
آگے بڑھ کر وہی رہ کتا ہے۔ اور کہتا ہے
یہاں جگہ نہیں ہے۔ ہمارا دم پہلے ہی گھٹ رہا
ہے۔ اسی طرح ہر جگہ ہوتا رہتا ہے۔ ایسی موقعے
پر مبلّغ ان کا افسر بن کے بیٹھ جائے۔ اور
نرمی د محبّت سے کہے آنے دیجئے۔ کوئی حرج نہیں
بچارہ رہ گیا تو نہ معلوم اسکا کتنا نقصان ہو۔
اور اگر کہیں جگہ نہ ہو۔ تو کہدے میں کھڑا ہو
جاتا ہوں۔ یہاں بیٹھ جائیگا۔ جب وہ اس بات
کے لئے تیار ہو جائیگا۔ اور اسقدر ایثار کریگا۔
تو اسکا لوگوں پر اتنا اثر ہو گا۔ کہ سب ایثار
کیلئے تیار ہو جائینگے۔ اور تھوڑی تھوڑی جگہ
نکالکر آنیوالے کو بٹھادینگے۔ اسطرح اسے اپنی

جگہ بھی نہیں چھوڑنی پڑے گی۔ اور بات
بھی پوری ہو جائیگی۔ اس قسم کی باتوں سے
مبلغ لوگوں کو ممنون احسان بنا سکتے ہیں۔ یہ
ایک مبلغ جن لوگوں کو گاڑی کے اندر لائیگا۔
وہ تو اُسکے شکر گذار ہونگے ہی۔ دوسرے بھی اس
کے اخلاق سے متاثر ہونگے۔ اور اسکی عزت
کرنے لگیں گے۔ اور اسطرح انہیں تبلیغ کرنے
کا موقع نکل آئیگا۔ لیکن اگر اس موقع پر اسی
قسم کی بداخلاقی دِکھائی جائے جسطرح کی اور
لوگ دکھاتے ہیں۔ تو پھر کوئی بات سننے کے لئے
تیار نہ ہوگا۔ اور نہ تمہیں خود جرأت ہو سکیگی کہ
ایسے موقع پر کسی کو تبلیغ کر سکو۔ ایک سفر میں ایک
شخص گاڑی کے اس کمرہ میں آداخل ہُوا جس
میں ہمارے آدمی بیٹھے تھے۔ اسکے پاس بہت سا

اسباب تھا۔ جب وہ اسباب رکھنے لگا۔ تو بعض نے اُسے کہا۔ کہ یہ سیکنڈ کلاس ہے۔ اس سے اتر جایئے۔ اور کوئی اور جگہ تلاش کیجئے۔ لیکن وہ خاموشی سے اُن کی باتیں سنتا رہا۔ اور جب اسباب رکھ چکا۔ تو سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ نکالکر اُن کو دکھلا دیا۔ اسپر وہ سخت نادم ہو کر بیٹھ گئے۔ مجھے سخت افسوس تھا۔ کہ ان لوگوں نے اس قسم کی بد اخلاقی کیوں دکھائی۔ جب میں نے اسکا جواب سنا۔ تو میرے دلکو بہت خوشی ہوئی۔ جس سے اس طرح پیش آئے تھے۔ وہ لوگ تبلیغ کر سکتے تھے۔ اور وہ ان کی باتوں سے متاثر ہو سکتا تھا۔ ہرگز نہیں۔ تو ایثار کے موقعہ پر ایثار کر کے لوگوں میں اپنا اثر پیدا کرنا چاہیئے۔ تاکہ تبلیغ کیلئے راستہ نکل سکے۔ اس قسم

کی اور بیسیوں باتیں ہیں۔ جنہیں انسان ایثار سے کام لے سکتا ہے۔

اٹھارہویں ہدایت اٹھارہویں بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ دلائل دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک عقلی اور دوسرے ذوقی۔ عقل تو چونکہ کم و بیش ہر ایک میں ہوتی ہے۔ اسلئے عقلی دلائل کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ لیکن ذوقی دلیل ہوتی تو سچی اور پکّی ہے مگر چونکہ ایسی ہوتی ہے۔ کہ مناسبت ذاتی کے بغیر اس کو سمجھنا ناممکن ہوتا ہے۔ اسلئے اسکا مخالف کے سامنے پیش کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر اسمیں بھی ذوق سلیم ہوتا۔ اور اسکا دل اس قابل ہوتا ہے۔ کہ اس بات کو سمجھ سکا۔ تو وہ احمدی کیوں نہ ہوگیا ہوتا۔ اور کیوں الگ رہتا۔ اسکا تم سے

الگ رہنا بنا تا ہے۔ کہ اسمیں وہ ذوق سلیم نہیں ہے۔ جو تمہارے اندر ہے۔ اور ابھی اسکا دِل اس قابل نہیں ہوا۔ کہ ایسا ذوق اسکے اندر پیدا ہو سکے۔ اسلئے پہلے اسکے اندر یہ ذوق پیدا کرو۔ اور پھر اس قسم کی دلیلیں اُسے سناؤ۔ ورنہ اس کا الٹا اثر پڑیگا۔ کئی مبلغ ہیں۔ جو مخالفین کے سامنے اپنی ذوقی باتیں سنانے لگ جاتے ہیں۔ اور اس سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے کیونکہ مخالف اس کا ثبوت مانگتا ہے۔ تو وہ دیا نہیں جا سکتا۔ اور اسطرح زک اٹھانی پڑتی ہے۔ پس مخالفین کے سامنے ایسے دِلائل پیش کرنی چاہئیں جو عقلی ہوں۔ اور جنکی صحت ثابت کی جا سکے۔

انیسویں ہدایت انیسویں بات یہ ہے۔ کہ مبلغ کوئی موقع تبلیغ کا جانے نہ

دے۔ اُسے ایک دھن لگی ہو۔ کہ جہاں جائے جس مجلس میں جائے۔ جس مجمع میں جائے۔ تبلیغ کا پہلو نکال ہی لے۔ جن لوگوں کو باتیں کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ وہ ہر ایک مجلس میں بات کرنے کا موقع نکال لیتے ہیں۔ مجھے باتیں نکالنے کی مشق نہیں ہے۔ اس لئے بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ گھنٹہ گھنٹہ بیٹھے رہنے پر بھی کوئی بات نہیں کی جاسکتی۔ حضرت مسیح موعود عام طور پہ باتیں کر لیتے تھے۔ مگر پھر بھی بعض دفعہ چپ بیٹھے رہتے تھے۔ ایسے موقع کے لئے بعض لوگوں نے مثلاً میاں معراج الدین صاحب اور خلیفہ رجب الدین صاحب نے یہ عمدہ طریق نکالا تھا۔ کہ کوئی سوال پیش کر دیتے تھے۔ کہ حضور مخالفین یہ اعتراض کرتے ہیں۔

اسپر تقریر شروع ہو جاتی۔ تو بعض لوگوں کو
باتیں کرنے کی خوب عادت ہوتی ہے۔ اور
بعض تو ایسے ہوتے ہیں۔ کہ انہیں چپ کرانا
پڑتا ہے۔ مبلّغوں کے لئے باتیں کرنیکا ڈھب
سیکھنا نہایت ضروری ہے۔

میر صاحب ہمارے نانا جان کو خدا کے
فضل سے یہ بات خوب آتی ہے۔ میں نے
ان کے ساتھ سفر میں رہ کر دیکھا کہ خواہ کوئی
کسی قسم کی بھی باتیں کر رہا ہو۔ وہ اس سے
تبلیغ کا پہلو نکال ہی لیتے ہیں۔

بیسویں ہدایت بیسویں بات یہ ہے۔ کہ
مُبلّغ بیہودہ بحثوں میں نہ
پڑے۔ بلکہ اپنے کام سے کام رکھے۔ مثلاً
ریل میں سوار ہو۔ تو یہ نہیں کہ ترک موالات

پر بحث شروع کر دے۔ میں نے اسکے متعلق
کتاب لکھی ہے۔ مگر اس لئے لکھی ہے۔ کہ میرے
لئے جماعت کی سیاسی حالت کا خیال رکھنا بھی
ضروری ہے۔ اور سیاسی طور پر اپنی جماعت
کی حفاظت کرنا بھی میرا فرض ہے۔ اگر میں
صرف مبلّغ ہوتا۔ تو کبھی اسکے متعلق کچھ نہ
لکھتا۔ کیونکہ مبلّغ کو ایسی باتوں میں پڑنے
کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے ہر وقت اپنے
کام کا ہی فکر رکھنا چاہیئے۔ اور اگر کہیں
ایسی باتیں ہو رہی ہوں۔ جو اس کے دائرہ
عمل میں داخل نہیں ہیں۔ تو وہ واعظانہ رنگ
اختیار کرے۔ اور کہے کہ اتفاق و اتحاد ہی اچھا
ہوتا۔ اور وہی طریق عمل اختیار کرنا چاہیئے۔
جس میں کوئی فساد نہ ہو۔ کوئی فتنہ نہ پیدا

ہو۔ اور کسی پر ظلم نہ ہو۔ اسکے سوا کیا ہو یا کیا نہ ہو۔ اس میں پڑنے کی اسے ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ یہی کہے۔ کہ ہر ایک وہ بات جو فساد۔ فتنہ اور ظلم و ستم سے خالی ہو۔ اور حق و انصاف پر مبنی ہو۔ اُسے ہم ماننے کے لئے تیار ہیں۔ اور اس میں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے۔ کہ جو بات حق و صداقت پر مبنی ہو۔ اسے ہم ہر وقت ماننے کے لئے تیار ہیں۔

اکیسویں ہدایت

اکیسویں بات یہ ہے۔ کہ مبلّغ کو اس بات کی بھی نگرانی کرنی چاہیئے۔ کہ ہماری جماعت کے لوگوں کے اخلاق کیسے ہیں۔ مبلّغ کو اپنے اخلاق درست رکھنے بھی نہایت ضروری ہیں۔ مگر اس

کے اخلاق کا اثر مخالفین پر اتنا نہیں ہوتا۔
جتنا ان لوگوں کے اخلاق پر ہوتا ہے۔ جو ہر
وقت ان کے پاس رہتے ہیں۔ مبلغ تو ایک
آدھ دِن کے لئے کسی جگہ جائیگا۔ اور مخالفین
اس کے اخلاق کا اندازہ بھی نہ لگا سکیں گے۔
اُن پر تو وہاں کے احمدیوں کے اخلاق کا ہی
اثر ہو گا۔ لیکن اگر ان احمدیوں کے اخلاق
اچھے نہیں۔ جو اُن میں رہتے ہیں۔ تو خواہ
انہیں کوئی دلیل سناؤ۔ ان کے سامنے وہاں
کے لوگوں کے ہی اخلاق ہونگے۔ اور ان کے
مقابلہ میں دلیل کا کچھ بھی اثر ان پر نہ ہو گا۔
پس مبلغ کا یہ اوّلین فرض ہے۔ کہ جہاں جائے۔
وہاں کے لوگوں کے متعلق دیکھے۔ کہ ان کے
روحانی اور ظاہری اخلاق کیسے ہیں۔ ان کے

اخلاق اور عبادات کو خاص طور پر دیکھے
اور اُن کی نگرانی کرتا رہے۔ جب بھی جائے
مقابلہ کرے۔ کہ پہلے کی نسبت انہوں نے ترقی
کی ہے۔ یا نہیں۔ یہ نہایت ضروری اور اہم
بات ہے۔ اور ایسی اہم بات ہے۔ کہ اگر اخلاق
درست نہ ہوں۔ تو ساری دلیلیں باطل ہو
جاتی ہیں۔ اور اگر اخلاق درست ہوں۔ تو
ایک آدمی بھی بیسیوں کو احمدی بنا سکتا ہے۔
کیونکہ دس تقریریں اتنا اثر نہیں کرتیں۔ جتنا
اثر ایک دن کے اعلیٰ اخلاق کا نمونہ کرتا ہے۔
کیونکہ یہ مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور مشاہدہ کا اثر
دلائل سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ دیکھو اگر
ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ کا اثر بذریعہ
کشف دل پر ڈال دیا جائے۔ تو اسکا اتنا

اثر ہو گا۔ کہ سارے قرآن کے الفاظ پڑھنے
سے اتنا نہ ہو گا۔ کیونکہ وہ مشاہدہ ہو جائیگا۔
یہی وجہ ہے کہ صوفیا نے کہا ہے۔ ایک آیت
پر عمل کرنا بہتر ہے۔ بہ نسبت سارا قرآن پڑہنے
کے۔ اس کا غلط مطلب سمجھا گیا۔ کہ ایک ہی
آیت کو لے لینا چاہیئے۔ اور باقی قرآن کو
چھوڑ دینا چاہیئے۔ حالانکہ اس سے مراد وہ
اثر ہے۔ جو کسی آیت کے متعلق کشفی طور پر
انسان پر ہو۔

تو اخلاق کا نمونہ دکہانا بڑی تاثیر رکہتا
ہے۔ اسی کے متعلق قرآن میں آیا ہے۔ ربما
یود الذین کفروا لو کانوا مؤمنین۔ کفار
مسلمانوں کے اخلاق کو دیکھ کر خواہش کرتے۔
کہ کاش ہم بھی ایسے ہو جائیں۔ یہ اخلاق

ہی کا اثر ہو سکتا ہے۔ کہ کافر بھی مومن کیطرح بننے کی خواہش کرتا ہے۔ اور جب کوئی سچے دلسے خواہش کرے۔ تو اس کو خدا ان لوگوں میں داخل کر دیتا ہے۔ جن کے اخلاق اسے پسند آتے ہیں۔

بائیسویں ہدایت بائیسویں بات مبلغ کے کامیاب ہونے کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ اس میں ایک حیات اور حرکت ہو۔ یعنی اس میں چستی۔ چالاکی اور ہوشیاری پائی جائے۔

حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ تم جہاں جاؤ۔ آگ لگا دو۔ تاکہ لوگ جاگیں۔ اور تمہاری باتیں سنیں۔ پس چاہیئے۔ کہ مبلغ کے اپنے جسم میں ایک ایسا جوش اور

ولولہ پیدا ہو جائے۔ کہ جو زلزلہ کی طرح
اس کے جسم کو ہلا دے۔ اور وہ دوسروں
میں زلزلہ پیدا کر دے۔ مبلغ جس گاؤں
یا شہر میں جائے۔ وہ سو نہ سکے۔ بلکہ بیدار ہو
جائے۔ مگر اب تو ایسا ہوتا ہے۔ کہ کبھی مبلغ
ایک ایک مہینہ کسی جگہ رہ کر آ جاتا ہے۔ اور
وہاں کے لوگوں کو اتنا بھی معلوم نہیں ہوتا
کہ یہاں کوئی آیا تھا۔

ان ہدایات پر عمل کرو۔ یہ بائیس موٹی موٹی
باتیں ہیں۔ مگر اسلئے
نہیں۔ کہ ان کو سنو اور کان سے نکال دو بلکہ
اسلئے ہیں۔ کہ ان پر عمل کرو۔ ہماری ترقی اسی
لئے رکی ہوئی ہے۔ کہ صحیح ذرائع سے کام
نہیں لیا جا رہا۔ اخلاص اور چیز ہے لیکن

کام کو صحیح ذرائع اور طریق سے کرنا دو چیز۔
دیکھو اگر کوئی شخص بڑے اخلاص کے ساتھ
مسجد کے پیچھے مرزا نظام الدین صاحب کے مکان
کیطرف بیٹھ رہے۔ اور کہے۔ کہ میں اخلاص
کے ذریعہ مسجد میں داخل ہو جاؤں گا۔ تو
داخل نہیں ہو سکیگا۔ لیکن اگر کسی میں اخلاص
نہ بھی ہو۔ اور وہ مسجد میں آنے کا راستہ جانتا
ہو۔ تو آ جائیگا۔ ہاں جب یہ دونوں باتیں
مل جائیں۔ یعنی اخلاص بھی ہو۔ اور صحیح طریق
پر عمل بھی ہو۔ تب بہت بڑی کامیابی حاصل
ہو سکتی ہے۔

پس یہ ہدایتیں جو ہم نے بتائی ہیں
اِن پر عمل کرو۔ تاکہ تبلیغ صحیح طریق کے ماتحت
ہو۔ یہ ہدایتیں دفتر تالیف میں محفوظ رہینگی۔

اور ان کے مطابق دیکھا جائیگا۔ کہ کس کس مبلغ نے اُن پر کتنا کتنا عمل کیا ہے۔

یہ ٹھیک بات ہے۔ اور ہیں نے بارہا اسپر زور دیا ہے۔ کہ مبلغ کا کام کسی سے منوانا نہیں۔ بلکہ پہنچانا ہے۔ مگر اسکا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ لوگ مانتے ہی نہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچاتے ہی تھے۔ منواتے نہ تھے۔ مگر لوگ مانتے تھے۔ اسیطرح حضرت مسیح موعودؑ پہنچاتے ہی تھے۔ منواتے نہیں تھے۔ مگر لوگ مانتے تھے۔ کیوں؟ اسلئے۔ کہ صحیح ذرائع کے ماتحت پہنچانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ لوگ مان لیتے ہیں۔

پس ہمارے مبلغ بھی جب صحیح ذرائع پر عمل کرینگے۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ لوگ

نہ مانیں۔ اگر ہم ان باتوں کو جو میں نے بیان کی
ہیں۔ اپنی جماعت کے ہر ایک آدمی میں پیدا کر
دیں۔ تو ہر سال ہماری جماعت پہلے کی نسبت
دگنی ہو جائے۔ کیونکہ کم از کم ایک شخص ایک
کو تو احمدی بنا لے۔ اور اگر اسطرح ہونے لگ
جائے۔ تو تم دیکھ سکتے ہو۔ کہ ہماری جماعت
کسقدر ترقی کر سکتی ہے۔ بیس پچیس سال
کے اندر اندر دنیا فتح ہو سکتی ہے۔ اِس
وقت اگر ہم اپنی جماعت کو بہ طور تنزل
ایک لاکھ ہی قرار دیں۔ تو اگلے سال
دو لاکھ ہو جائے۔ اور اس سے اگلے سال
چار لاکھ۔ پھر آٹھ لاکھ۔ پھر سولہ لاکھ
اس طرح سمجھ لو۔ کہ کسقدر جلدی ترقی ہو
سکتی ہے۔ مگر یہ تو خیالی اندازہ ہے۔ اگر

اس کو چھوڑ بھی دیا جائے۔ اور حقیقی طور
پر اندازہ لگایا جائے۔ تو دس پندرہ سال
کے اندر اندر ہماری جماعت اس قدر بڑھ
سکتی ہے۔ کہ سیاسی طور پر بھی ہمیں کوئی
خطرہ نہیں رہ جاتا۔ مگر افسوس ہے۔ کہ
صحیح ذرائع اور اصول تبلیغ سے کام نہیں
لیا جاتا۔ اگر ان سے کام لیا جائے۔ اور
ان شرائط کو مدنظر رکھا جائے۔ جو میں
نے بیان کی ہیں۔ تو قلیل عرصہ میں ہی
اتنی ترقی ہو سکتی ہے۔ کہ ہماری جماعت
پہلے کی نسبت بیس گنے ہو جائے۔ اور جب
جماعت بڑھ جاتی ہے۔ تو وہ خود تبلیغ
کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اگر اس وقت
ہماری جماعت بیس لاکھ ہو جائے تو

ہزاروں ایسے لوگ جو چھپے ہوئے ہیں۔ وہ ظاہر ہوکر ہمارے ساتھ ملجائینگے۔

پس ایک انتظام اور جوش کے ساتھ کام کرنا چاہیئے۔ اور اس سال ایسے جوش سے کام کرو۔ کہ کم از کم ہندوستان میں زلزلہ آیا ہؤا معلوم ہو۔ اور اگر تم اس طرح کروگے۔ تو پھر دیکھوگے۔ کہ کس قدر ترقی ہوتی ہے ÷

خدا کے فضل و رحم کے ساتھ یہ ہدایت نامہ زرین چھپوا کر شائع کیا گیا ÷

:- الحمد للہ :-

کتب قابل مطالعہ مبلّغین سلسلہ احمدیہ

النّبوۃ فی خیر الامۃ - آیت خاتم النّبیین پر زبردست بحث اور اُسکی صحیح تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت محمدیہ میں نبی ہونیکا ثبوت قرآن مجید کی متعدد آیات سے اور آیت خاتم النّبیین پیشکر نیوالوں کے اعتراضات کے مکمّل جواب انعامی اِشتہار قیمت ۸ر

ختم نبوّت کی حقیقت - جو حدیثیں غیر احمدی علماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی آنیکی ممانعت میں پیشکرتے ہیں۔ اُن سب حدیثوں کے صحیح معنے اور مخالفین کے استدلال کے جوابات احادیث سے اور اقوال بزرگان دین قابل دید - قیمت ۸ر

فیصلہ الٰہی اور ثنائی روسیاہی - مولوی ثناءاللہ امرتسری اہلحدیث کے متعلق آخری فیصلہ والے اشتہار پر ایسی فیصلہ کن بحث کہ جسکا امرتسری مذکور سے آجتک کوئی جواب نہیں ہوسکا قیمت ۸ر

ثنائی فرار اور مباہلہ سے انکار - امرتسری منکر کا حضرت مسیح موعودؑ کے مقابلہ میں مباہلہ کر تیسے بار بار فرار جو اُسکے اقرار سے ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت ۸ر

چودھویں صدی کا یہودی - امرتسری مکذب نے مان لیا ہے - کہ احمدیوں کے مقابلہ میں میری حیثیت ایک یہودی ایک عیسائی کی حیثیت ہے - اور اپنے اقرار سے وہ یہودی عیسائی بنکر مماثلت یہود و نصاریٰ والی پیشگوئی کا مصداق بنگیا - اور ساتھ ہی مسیح موعودؑ کی صداقت و نبوت کا امرتسری کی قلم سے ایسا ثبوت دیا - کہ جسکی جوابدہی سے وہ آجتک عاجز اور لاچار ہے - قیمت ۶؍

ثنائی فوٹو - امرتسری مکذب کی علکسی تصویر ہر ایک مبلغ کو یاد رکھنے کے قابل قیمت ۴؍

مرقع ثنائی - امرتسری کا وہ پرچہ اخبار اہلحدیث مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء جسمیں امرتسری نے آخری فیصلہ والے اشتہار کا جواب دیکر مباہلہ سے انکار کیا ہے - نایاب ہے - قیمت ۴؍

یہ سب کتابیں ہر ایک مبلغ کو اپنے پاس رکھنی چاہئیں چند کاپیاں باقی ہیں بذریعہ وی پی دفتر فاروق سے طلب کریں - اسکے علاوہ ہر ایک قسم کی احمدیہ کتابیں فاروق ایجنسی سے طلب فرمائیں - محصولڈاک ذمہ خریدار

(منیجر فاروق ایجنسی قادیان ضلع گورداسپور پنجاب)

5.2.87

اخبار فاروق

یہ سلسلہ احمدیہ کا ہفتہ وار اخبار ہے
جو زیر ایڈیٹری خاکسار قاسم علی شائع
ہوتا ہے۔ اس میں مخالفین بیرونی و اندرونی
کے مدلل و مفصل و مکمل دندان شکن
جواب دیئے جاتے ہیں۔ قیمت
سالانہ چار روپے جو باقساط
تین تین ماہ ایک ایک روپیہ کر کے غیر مستطیع
احباب سے لے لیا جاتا ہے قیمت
بہرحال پیشگی وصول ہونی
چاہیئے
(ایڈیٹر فاروق)